جلد 17 شمارہ 3 ماہ مارچ 2015ء جمادی الاول 1436ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت اللہ محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاحِ آدمیت

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی**
0344-9000042

مدیر: **احمد رضا خان**
0321-6400942

معاون مدیر: **خالد محمود بخاری**
0300-7374750

نائب مدیر: **سید رحمت اللہ توحیدی**
0333-4552212

مجلس ادارت

خالد مسعود، ایم طالب
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411035 / 055-3411030
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

سالانہ کنونشن

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا روح پرور سالانہ کنونشن

مورخہ 17، 18 اپریل 2015ء بروز جمعہ، ہفتہ کو منعقد ہوگا

اللہ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر، تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ان مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔

بمقام: **مرکز تعمیر ملت**

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)

جی ٹی روڈ **گوجرانوالا**

رابطہ نمبر 0303-0466321

درس حدیث : اخلاص کی حقیقت

(مولانا فضل الرحیم)

عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الله لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ٥ (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔"

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا سلوک صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی نا راضگی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں، رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ تمام اچھے اعمال و اخلاق کی روح یہی اخلاص نیت ہے اگر اچھے سے اچھے اعمال اخلاص سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضاء الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود ریا اور دکھلاوا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور ثواب بھی نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب، جو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ یہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاق میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو۔ اپنے معاملات میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہر طرح کا آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے پس آپ کو معلوم ہو جائے کہ اسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں بلکہ اس نے یہ سب کچھ اپنی ذاتی غرض کیلئے کیا ہے تو آپ کے دل میں اس شخص کی اور اس کے برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

اخلاص کی ضد ریاء اور دکھلاوا ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے "جس نے دکھلاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا

اور جس نے صدقہ وخیرات دکھاوے کے لئے کیا اس نے شرک کیا۔"

مسند احمد میں محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا ریاء"

بعض اعمال واخلاق ایسے بھی ہوتے ہیں جو شرک میں شامل نہیں ہوتے لیکن ان میں شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص عبادت یا کوئی اور نیک کام لوگوں کو دکھانے کیلئے کرے تا کہ لوگ اسے عبادت گزار نیکوکار سمجھیں اسی کو ریاء کہا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی طویل روایت ہے جس میں ریاء کار عالم، ریاء کار مجاہد، اور ریاء کار سخی کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کے اعمال کو ضائع قرار دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔اس روایت کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہوں اور اعمال صالح کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہوں تو آپ نے ارشا فرمایا کہ "یہ تو مومن بندے کے لئے نقد بشارت ہے"

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں ریاء کا اتنا خوف تھا کہ ان میں سے بعض کو شبہ ہونے لگا کہ لوگ ان کے نیک اعمال کی تعریف کرنے لگے تو کہیں یہ ریاء میں داخل نہ ہو جائے چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھ لیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اگر دوسرے لوگوں کو اس کے اعمال کا علم ہو جائے پھر ان کو اس سے خوشی اور محبت ہو جائے تو یہ اخلاص کے منافی نہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی حقیقت نصیب فرمائے

خدمت خلق

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

خدمت خلق میں ایک معمولی سی بات سے لیکر انتہائی قربانی اور ایثار تک سب کچھ شامل ہے مثلاً کسی کو راستہ بتانا، راستہ کو کانٹوں اور پتھروں سے صاف کردینا، کسی کا بوجھ اُٹھا دینا، بھوکے اور ننگے کو روٹی کپڑا دینا، بیماروں کی تیمارداری اور علاج کرنا، بے علموں کو علم حاصل کرنے میں مدد دینا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی کو اِس قابل بنا دینا کہ وہ معاشی لحاظ سے اپنی زندگی آرام سے گزار سکے اور اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا راستہ بتانا اور قرآن کریم کی تعلیم میں اِس طرح کامل کردینا کہ اِس کی زندگی دنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامیاب رہے۔ نبی یہی سکھاتے تھے اِسی لئے اِن کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔

خدمت خلق کی دو صورتیں ہیں، ایک انفرادی دوسرے اجتماعی۔ زیادہ افضل اور اشرف کام وہ ہیں جن سے انسانوں کی بڑی سے بڑی جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے مثلاً بیماروں کے مفت علاج کی غرض سے اعلیٰ درجے کے ہسپتال کھولنا عوام کو معمولی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے کتب خانے، سکول اور کالج قائم کرنا، سائنس کی ترویج کیلئے معمل یعنی لیبارٹریاں بنانا، بینک اور ایسے صنعتی ادارے اور کارخانے قائم کرنا جن کی وجہ سے قوم میں دولت کی ریل پیل ہو جائے۔ یہ سارے کام دراصل قومی امراء کے فرائض میں شامل ہیں۔ متمدن ممالک اور زندہ قوموں میں یہ سب کام قوم خود کرتی ہے۔ حکومت کے ذمہ تو صرف ایڈمنسٹریشن، انصاف اور دفاع کا کام ہوتا ہے، مگر اسلامی ممالک کی قومیں روٹی کے ٹکڑے تک کے لئے گورنمنٹ کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی ہیں۔ جن قوموں کے امراء اپنے ذمہ یہ کام لے لیتے ہیں وہ قومیں ترقی کرتی چلی جاتی ہیں جیسا کہ یورپ، امریکہ، جاپان اور آخر میں ہندوستان کے ہندو سیٹھوں نے بھی کر کے دکھایا۔ مسلمانوں میں بھی ہزاروں لکھ پتی سینکڑوں کروڑ پتی اور بیسیوں عرب پتی ہیں، لیکن یہ لوگ سارا

روپیہ اپنی ذاتی آسائشوں اور عیاشیوں پر ہی خرچ کرتے ہیں، قومی خدمت کا خیال بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔ قرآن دولت کمانے سے ہرگز منع نہیں کرتا لیکن دولت کو جمع کر کے رکھنے یا صرف ذاتی عیش و عشرت پر صرف کرنے کو ضرور منع کرتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ آیت 34 میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اور جو لوگ جمع کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں سو خوشخبری دیدو انہیں دردناک عذاب کی " یہ راہ خدا کیا چیز ہے؟ قوم کی فلاح و بہبودی۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (المزمل۔20) "اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو"

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے روپیہ وغیرہ قرض لینے کی ضرورت نہیں وہ کسی حیثیت سے بھی کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لہذا اس قرض سے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں کہ قوم کی فلاح و بہبود اور دفاع و ترقی پر روپیہ خرچ کرو، کیونکہ ملت کی بقاء ہی سے اسلام کی بقا ہے، پھر ہمارے امراء کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان کی ہستی بھی قوم کی ہستی پر منحصر ہے، قوم ترقی کرے گی تو وہ بھی ترقی کریں گے قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ بھی تباہ ہو جائیں گے، اگر کوئی دشمن ملک پر قبضہ کر لے تو سب سے پہلے ان کو لوٹے گا، اس لئے قوم کو مضبوط اور طاقتور رکھنے میں انہی کا فائدہ ہے۔

؎ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

جو لوگ اوپر بتائے گئے طریقوں کے مطابق ایمان محکم حاصل کرتے اور کردار انسانی کی تکمیل کرتے ہیں ان کو روپیہ پیسہ ہرگز اتنا عزیز نہیں ہوتا کہ قوم کی ضرورت ہو اور وہ اپنے خزانوں کو سانپ کی طرح کلیجے سے لگائے بیٹھے رہیں۔ ایسے لوگ روپیہ ہی نہیں اپنی املاک، اپنے بیوی بچے اور جان سب کچھ بوقت ضرورت اللہ یعنی قوم پر قربان کر دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے صحابیؓ ایسے ہی تھے۔

نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب :سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ جو اعمال کے لکھنے کا معاملہ ہے یہ کس طرح کا ہے؟

بابا جانؒ نے اس طرح جواب دیا:

''کافی ساری آیتیں اور حدیثیں ایسی بھی موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے خود فرماتا ہے کہ یہ نہ لکھو، یہ لکھو۔ ویسے کہا جاتا ہے کہ فرشتے لکھ رہے ہیں۔ فرشتوں کا یہ معاملہ ہے کہ یہ انسان کے اندر سرایت کر کے دیکھتے نہیں ہیں کہ انسان کی نیت یا ارادہ کیا تھا؟ جو کام اچھا یا برا ہوتا ہے فرشتے وہی لکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ جو ارادہ یا نیت ہوگی اس کے مطابق ثواب ملے گا۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اگر نیک اعمال ایسے بھی کیے گئے ہوں جن کی نیّت کوئی نہ ہو تو ان کا کوئی فائدہ نہیں، وہ ایسے ہی گئے۔

اعمال کی بنیاد نیّت پر موقوف ہے۔ اگر آپ کی نیّت ہی نہیں ہے وہ کام کرنے کی، تو آپ اجر کی کیا امید کریں گے؟ مثلاً روزہ ہی کو لے لیں کہ انسان نے اس طرح روزہ رکھا ہے کہ ویسے ہی واقعاتی طور پر اتفاقاً بھوکا رہ گیا ہے، اب یہ کہے کہ اسے روزہ بنا لیتے ہیں تو یہ روزہ نہیں ہے ایسے روزہ نہیں ہوتا۔ By chance فاقہ آ گیا اور ہم یہ کہیں کہ یہ روزہ ہے تو ایسے روزہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ پہلے دن روزہ رکھا ہے اور خیال ہے کہ کل روزہ رکھنا ہے۔ سحری کا وقت آیا آپ نہیں اٹھ سکے، سحری نہیں کر سکے اور روزہ رکھ لیا تو یہاں روزہ کی نیّت پہلے سے تھی اسلئے یہ روزہ ہے۔ نیّت کریں گے تو روزہ ہوگا، جب نیّت ہی کوئی نہیں ہے تو پھر روزہ کیسا ہے؟۔

کافروں کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ فلاں کافر نے یہ کیا، فلاں کافر نے ہسپتال بنایا، ان کو اس کا اجر ملے گا یا نہیں ملے گا؟ بات تو یہاں پھر وہی ہے کہ:

اِنَّمَا الاَعمالُ بِالنّیات ۔ (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔کافروں سے مراد یہاں وہ نہ لیے جائیں جو دوسری قوموں کے ہیں جیسے عیسائی ۔وہ تو اللہ کو مانتے ہیں، رسولوں کو مانتے ہیں، آخرت کو مانتے ہیں، جنت اور دوزخ کو بھی مانتے ہیں، وہ تو نیک کام اسی کیلئے کرتے ہیں۔یہ تو ہماری زیادتی ہے کہ ہم ان کو اجر کی فہرست سے نکال دیں۔وہ تو اس کی فہرست میں ہیں، اہل کتاب ہیں ۔ایک آدمی اللہ کو نہیں مانتا، آخرت کو بھی نہیں مانتا، سیدھا کافر ہے، وہ کوئی کام کررہا ہے، وہ تو اللہ کیلئے نہیں کررہا، وہ تو اللہ کو مانتا ہی نہیں ہے۔آخرت کیلئے بھی نہیں کررہا کہ وہ آخرت کو بھی نہیں مانتا۔اس کے لئے اس کے علاوہ کچھ نیت ہے یعنی دنیا میں نیک نامی ہو، وہ مشہور ہوجائے کہ بڑا اچھا آدمی ہے۔گورنمنٹ کے کاغذوں میں آجائے کہ میں بڑا نیک کام کرتا ہوں، میرے پاس پیسہ بھی ہے۔جب وہ اللہ اور اس کے رسول کو نہیں مانتا تو اس کی نیت اس کے علاوہ ہی کچھ ہے۔وہ اجر کی اس لسٹ میں نہیں آئے گا۔

اگر وہ مسلمان ہے، مومن ہے، اور اعمال صالح کرتا ہے یعنی دونوں چیزیں ضروری ہیں۔اگر مسلمان ہی نہیں ہے تو اس کی نیت اللہ کی رضا اور اس میں سے کسی قسم کی نہیں تھی۔یہی قانون دنیا میں مسلمانوں کے لئے بھی ہے جیسے حدیث میں عالم اور مجاہد کے پیش ہونے کی بات لکھی ہے۔عالم کہے گا کہ اللہ میاں میں نے تیرا علم پھیلایا۔اللہ فرمائے گا کہ تو نے میرے لئے نہیں کیا بلکہ تو نے تو اس لئے کیا ہے کہ میرے نام کی شہرت ہوجائے۔لوگ مجھے بڑا عالم سمجھیں اور کہیں کہ علامہ ہے۔تیرا نام مشہور ہوگیا، تجھے دنیا میں اجر مل گیا۔مجاہد کے جہاد کا بھی ہے کہ وہ خاندان کے لئے لڑا کہ میرا خاندان بڑا بن جائے کہ میں فلاں قبیلے سے ہوں۔وہ اس لئے لڑا، اس نے قبیلے کے نام کیلئے اپنا سر قربان کیا۔اسے بھی اس کا اجر دنیا میں ہی مل گیا، آخرت میں نہیں ہے۔اس ساری بات کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کیلئے بھی یہی ہے کہ وہ کوئی عمل اگر اللہ کی رضا کیلئے نہیں کررہا تو اس کا اللہ کے ہاں کوئی اجر نہیں ہے۔

باباجی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بھی لکھا ہے کہ سلسلہ کی تبلیغ کرو، اس کی تعلیم جو قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے آگے پھیلاؤ، لوگوں کو اللہ کی راہ پر لگاؤ، بڑا اچھا کام ہے۔ اس میں اپنی بزرگی جتلانے، شہرت پھیلانے جیسے خیال نہ ہوں، نہ یہ ہو کہ خان صاحب فلاں فلاں بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اگر ایسے خیال ہوں تو باباجیؒ نے فرمایا کہ پھر اچھا ہے کہ تم نہ ہی کرو۔ ایسی تبلیغ نہ ہی کرو تو یہی اچھا ہے۔ دوسروں کو تبلیغ کرتے کرتے آپ ہی بگڑ جائیں، اپنا ہی کام خراب ہو جائے تو پھر باباجیؒ نے فرمایا کہ نہ ہی کرو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا، نبی پاک ﷺ کی خوشنودی، اس خیال سے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، یہ اللہ کی محبت کے راستے پر لگ جائے، اس کے علاوہ کوئی چیز نہ ہو تو پھر ٹھیک ہے، ضرور تبلیغ کریں۔ نیت سب کچھ ہے۔

دوسرے اہل کتاب کے بارے میں قرآن پاک میں ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۶۲) ''بے شک ایمان والے، نیز یہودیوں، نصرانیوں، اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، ان کا ثواب ان کے ربّ کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم۔''

جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں انہیں کچھ غم نہ ہو گا۔ ظاہر اعمال اس کے مطابق ہی ہوں گے کہ جو اللہ کو مانتا ہے کہ وہ ہے، اس نے اس کیلئے کیا ہو گا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو اس کو پھر اجر ملے گا۔ اگر یہ بات نہیں ہے پھر اس نے نیک کام کیے جیسے اس نے کوئی ہسپتال بنایا، گنگارام نے ہسپتال بنایا، گلاب دیوی نے ہسپتال بنایا، جس نے مرضی بنوایا ہو، اگر وہ اس خدا اور آخرت کو مانتے ہیں تو پھر انہیں اجر ملے گا، ہر ایک کے اعمال ریکارڈ ہوتے ہیں۔ اگر اہل ایمان نہیں ہیں تو جنت میں تو نہیں جا سکیں گے لیکن دوزخ میں عذاب ضرور ہلکا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ان کے اعمال بھی تو لکھے جا رہے ہیں، برے یا اچھے۔ ان میں بھی اچھا اور برا تو ہو گا کہ اس نے

اچھے کام کیے ہیں یا برے کام کیے ہیں، مخلوق کے فائدے کیلئے کیے ہیں یا نقصان کیلئے کیے ہیں۔ جنت والی بات جو ہے وہ الگ ہے۔ اچھے کام کرنے والوں کیلئے دوزخ میں ہی عذاب شاید کچھ ہلکا ہوجائے۔

نیّت پہلے ہے جو آپ نے دل میں کر لی وہی ہے عمل کیلئے۔ نیّت تو صحیح ہونی چاہیے۔ فرشتہ جو ہے اس کی تو ریکارڈنگ ہے۔ اس نے تو وہ سب ریکارڈ کر لینا ہے جو آپ نے کرنا ہے۔ جیسے گورنمنٹ نے ریکارڈر لگا رکھے ہیں کہ جو بولیں ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ جونہی آپ بولیں گے وہ لکھ لیں گے، جو کام کریں گے وہ ریکارڈ ہوجائے گا۔ صرف یہی نہیں، انسان کے اندر بھی ریکارڈر لگے ہوئے ہیں۔ ہاتھ، پاؤں بھی گواہی دیں گے، یہ بھی ریکارڈ کر رہے ہیں۔ بذاتِ خود ہی ہماری ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ اس نے بتادیا کہ فرشتے ہیں ورنہ یہ بھی فرشتے ہوتے، یہ ریکارڈ کر لیتے۔ وہ دن بھی آنا ہے جب منہ پر اللہ میاں مہر لگادیں گے، یہ ہمارے ہاتھ اور پاؤں ہوں گے جو گواہی دے رہے ہوں گے۔

اب یہ جو بات ہے نیّت والی اور خلوص والی اس نے کیسے ریکارڈ ہونا ہے۔ انسان نے جو کام کیا وہ تو لکھا جاتا ہے۔ یہ خلوص اور نیّت تو ایسی چیز نہیں ہے کہ جو لکھی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اعمال جب روحانی طور پر نکلتے ہیں یا الفاظ سے جو کلام ادا کیا جاتا ہے، ان میں رنگ کا فرق ہو۔ سچ والے کلام یا عمل کا رنگ اور ہو اور جھوٹ والے کلام اور عمل کا رنگ اور ہو، اعمال کا یہ رنگ فرشتوں کی اس ریکارڈنگ میں بھی چلا جائے کہ یہ جھوٹ ہے، یہ سچ ہے۔ ایسا تو ہوسکتا ہے۔ سائنسدانوں نے اب Light detect کرنے کی مشینیں بنائی ہیں۔ کسی معاملے میں Investigation کے دوران یہ مشینیں لگا دیتے ہیں اور ملزم سے کہتے ہیں کہ بیان دو۔ وہ جھوٹ بولتا ہے تو ان مشینوں میں لگی کوئی نہ کوئی سوئی Click کر جاتی ہے۔ سوئیاں جب click کر جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس بندے نے یہ بیان غلط دیا ہے، یہ جھوٹا بیان ہے۔ اعمال کی ریکارڈنگ میں ہوسکتا ہے کہ نیّت کی وجہ سے ریکارڈنگ میں بھی فرق ہو۔

بندے کے اعمال کے بارے میں کئی حدیثیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی حساب کتاب کے عمل میں براہِ راست بات آتی ہے۔کئی حدیثیں ہیں کہ بندے کے اعمال برابر ہو جائیں گے، زیادہ اچھے کام نہیں ہوں گے تو فرشتے کہیں گے کہ اسے لے چلو دوزخ میں۔اللہ فرمائے گا کہ کہاں لے جارہے ہو؟ فرشتے بتائیں گے کہ اس کے اعمال میں نماز، روزہ، یا ایسے اچھے کام نہیں ہیں۔یہ بندہ ہے کہ ساری عمر گزر گئی، زیادہ اچھے کام نہیں کر سکا۔اللہ کہے گا کہ ایک مرتبہ اسے بڑی مشکل پڑی تھی، مصیبت سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا تو اس بندے نے سچے دل سے مجھے یاد کیا تھا۔مجھے معلوم ہے اس کے بارے میں، یہ آپ کی Recording میں نہیں ہے۔وہ منہ سے بولتا تو ریکارڈ ہو جاتا، وہ منہ سے نہیں بولا۔ہم نے اس کے صدقے اسے معاف کیا۔اب یہ اللہ کی مرضی ہے۔

یہ روایتیں ہیں۔ایسی حدیث بھی ہے کہ نہیں ہے، مجھے اس کی تصدیق نہیں ہے مگر یہ مشہور ہے۔کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرے گا۔وہ اپنے حقوق معاف کر دیگا مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ان کے بدلے بندے نے اپنی زندگی میں جو نیکیاں کمائی ہوں گی وہ دی جائیں گی۔حضور ﷺ کی حدیث کے مطابق اس دن وہ Claimants آجائیں گے، انسان نے جو نیکیاں کی ہوئی ہوں گی وہ ساری نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔اب یہ جو بخشش کی روایتیں ہیں تو یہ ایسے بندوں کے cases ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں کسی کے کوئی حقوق نہیں مارے ہوتے۔نیکیوں کے لئے ہو سکتا ہے کہ وقت نہ ملا ہو مگر ایسے بندوں نے حقوق العباد بھی کسی کے نہیں مارے ہوں گے۔ایک بندہ ہے جس نے زندگی جانوروں کے ساتھ گزاری ہے۔اس نے جانوروں کو چارہ ڈالا، روٹی کھائی اور وہیں پر ہی سو گیا۔اس کی صبح پھر انہیں جانوروں کے ساتھ ہوئی۔اس بندے نے کسی قسم کی Public dealing کی ہی نہیں، اس کا کام ان جانوروں کے ساتھ تھا، وہ یہ اچھا کرتا رہا۔مطلب یہ کہ ادھر بخشش کے وقت اس کی عبادات نہیں ہیں۔Public کے ساتھ اس کی کوئی dealing نہیں تھی، اس نے کسی کا حق نہیں

مارا۔ وہاں حساب کتاب کے وقت حقوق العباد والا مسئلہ اس کا نہیں تھا۔ اللہ نے معاف کرنا ہے، اس نے بہانے سے ہی اپنی خاص رحمت سے معاف کر دیا۔ کسی نے ایک نیکی کر دی، ایک کتے کو ہی پانی پلایا، ایسی چیزیں نکال کر اس نے معاف کر دیا۔ ایسے بخشا جانے والا تو خود مظلوم ہے، اس نے لوگوں پر کیا ظلم کرنا ہے۔ حقوق العباد میں اس بندے کے اپنے حقوق تھے مگر اس نے کسی کا حق نہیں مارا۔ اس بندے کا اپنا جذبہ تھا کہ اس کے ساتھ اللہ کی جو مخلوق تھی اس نے اس مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اس کو اللہ نے اسی سے معاف کر دیا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ حساب کتاب والا سسٹم ختم ہو جائے گا۔ پانی پلانے کی نیکیاں لکھو اور جو برائیاں ہیں وہ بھی لکھو۔ اس کا حساب لو۔ حقوق العباد اور مخلوق کے ساتھ برتاؤ کا جذبہ کتنا تھا وہ بھی لکھو۔ عام مولوی یا عالم بھی شاید یہ خیال نہ کرے کہ جانور کیسے پڑا ہے، اس کو پانی دینا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بال بچے ایک مرتبہ عزیزوں کے ہاں چلے گئے۔ جاتے ہوئے مولوی صاحبؒ سے کہہ گئے کہ یہ مرغیاں ہیں، ان کو نکال دینا اور صبح ان کو دانہ پانی بھی ڈال دینا۔ مولوی صاحبؒ اپنے کام میں مصروف رہے۔ ان کو یہ مرغیاں کہاں یاد رہتیں۔ انہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب لکھیں۔ صبح اٹھے اور اپنی لکھائی پڑھائی کے معمول کے کام میں لگ گئے۔ ان کے پاس خط آئے ہوئے تھے، ان خطوط کے جوابات دینے تھے، ذہن میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا لکھا جائے۔ انہوں نے سب کام چھوڑ دیے کہ آج طبیعت موزوں نہیں ہے، ذہن میں کوئی بات ہی نہیں آ رہی کہ جیسے ذہن ماؤف ہو گیا ہو۔ سب کام چھوڑ دیے۔ دو رکعت نماز نفل کی نیت کی کہ اللہ میاں کیا بات ہے؟ ناراضگی ہو گئی ہے؟ سارا سسٹم ہی off ہو گیا ہے۔ نماز کے دوران ہی خیال آیا کہ ادھر مرغیاں بھوکی مر رہی ہیں۔ گھر والے ڈیوٹی لگا گئے ہیں اور ادھر بہت دیر ہو گئی ہے۔ مولوی صاحبؒ گئے، ان مرغیوں کو نکالا اور ادھر طبیعت بحال ہوئی۔ یہ بات ہے اللہ کی مخلوق کی کہ نہ خط لکھا گیا اور نہ ہی کچھ اور لکھ پائے۔

بخشش کی روایات کے جو case ہیں، وہ ایسے لوگوں کے ہیں جن کی مخلوق کے ساتھ dealing نہیں تھی۔ کسی کا نہ پیسہ مارا، نہ کسی کا حق کھایا، نہ کسی کی زمین پر قبضہ کیا۔

غریب تھے جو مرضی تھے، لوگوں نے ان پر ظلم کیا، ان کو غلام بنا دیا، ان کی جو خواہش ہے وہ نہ جانے کہاں کہاں ظلم سہتی ہوئی، اس بازار میں نہ جانے کس کے ہاتھوں آ پہنچی۔ وہ خود مظلوم ہے، اس نے کسی پر ظلم نہیں کیا تو اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کو پانی پلانے پر اس کی بخشش ہو جائے تو یہ ہوسکتا ہے اور اللہ کے حساب کتاب کے نظام کے عین مطابق ہے۔

تھوڑے لوگ ہوں گے جو جنت میں براہِ راست چلے جائیں گے۔ ان کا سب کو پتا ہے کہ بہت نیک ہیں۔ برائیاں ہوں گی چند ایک مگر ان کی گنتی کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہوگی۔ اسی طرح جو بہت برے ہوں گے وہ دوزخ میں چلے جائیں گے۔ ان کی ساری عمر میں نیکیاں چند ایک ہی ہوں گی، ان کے بارے میں سب کو علم ہوگا کہ بہت برے ہیں۔ جہاں کچھ ابہام ہوگا وہاں حساب کتاب ہوگا۔ جو چیز چھولوں سے ملتی جلتی ہے جیسے گندم ہے۔ اگر گندم کے کچھ دانے چھولوں میں ملے ہوئے ہوں بھی تو کہا جاتا ہے کہ چھولے ہیں۔ اسی طرح گندم میں چند دانے چھولوں کے ملے ہوں تو بھی سمجھا جاتا ہے کہ گندم ہے۔ گندم اور چھولے سمجھنے کیلئے انہیں گن کر الگ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب پتا نہ چلے کہ گندم ہے یا چھولے ہیں تو پھر گن کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ جن لوگوں نے جنت میں یا دوزخ میں جانا ہے اور ان کا معاملہ واضح ہے کہ یہ جنت یا دوزخ میں جانے والے ہیں تو وہ دو طبقے سیدھے ہی جنت یا دوزخ میں چلے جائیں گے۔ نہ ان کو پل صراط کا پتا ہوگا اور نہ ان کو حشر کے دن کی لمبی مدت کا پتا ہوگا کہ اس دن کیا گزری۔ روزِ حشر لمبا دن ہے، لکھا ہوا ہے۔ ایسے بھی لکھا ہے کہ جو غریب لوگ مومن تھے اور جنت میں جانے والے تھے، وہ پانچ سو سال پہلے ہی جنت میں چلے جائیں گے۔ امیر لوگ جو جنت میں جانے والے ہوں گے وہ ان کے پانچ سو سال بعد جنت میں جائیں گے۔ وہ اتنا لمبا period ہوگا۔ حشر کا دن کوئی چھوٹا سا دن نہیں ہوگا، وہ اس زندگی سے کچھ بڑا ہی ہوگا۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ کا خط بنام: خالد محمود بخاری

مورخہ: 11-10-2011

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ آپ نے جو کچھ تحریر کیا وہ حقیقت کے مطابق ہے اور تجزیہ بھی درست ہے۔ تحریک کے لئے جوش و جذبہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ جس کے لئے خلوص اور سچی لگن ہی بنیاد بنتے ہیں۔ قبلہ بانی سلسلہؒ نے آخری خطبہ میں جو شکوہ کیا اور بھائیوں کے آنے والے خطوط کا ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ میں اپنی طرف سے انہیں فیض پہنچانے میں کمی نہیں کرتا پھر نہ جانے ان لوگوں میں مطلوبہ جذبہ کیوں پیدا نہیں ہوتا میں سوچتا ہوں کہ شاید میں اپنے مشن میں ناکام ہو گیا ہوں۔ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ سب وہی لوگ ہیں جنہیں خادمانِ حلقہ نے سوچے سمجھے بغیر ہی بیعت کروا دیا اور ان میں توحیدی سپرٹ پیدا ہی نہیں ہوئی۔ بہر حال ہم اب بھی ان کی تربیت کر سکتے ہیں اور یہی قبلہؒ کا مقصود تھا۔ اس کے لئے آپ جیسے سرگرم بھائیوں کی ضرورت ہے جو اس مقدس مشن کو اپنی زندگی کا مقصد جانتے ہوئے اسے ہر کام پر ترجیح دیں۔ اللہ اپنے کام کرنے والے بندوں کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ مثالی کردار کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ مقولہ ہے کہ "مثالیں" چھوت کی بیماری کی طرح ہوتی ہیں۔ بری ہوں یا اچھی" لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور فقیروں کا تو مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ قلب بدلیں اور قلبِ ماہیت ہو یعنی انسان بدل جائے۔ اگر تبدیلی نہیں ہوتی تو سب کچھ لاحاصل ہے۔ باباجیؒ نے تو ہر جگہ کردار کو ماحصل قرار دیا ہے کہ نماز روزہ اور دیگر تمام عبادات کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر تبدیلی پیدا ہو۔ اللہ کے ساتھ ہمارے تعلق کو قوت ملے اور رفتہ رفتہ ہم احسان کے مرتبے تک پہنچ جائیں۔ یہ بات حلقہ میں ہوتی رہنی چاہیے اور بار بار رہونی چاہیے تاکہ بھائیوں کا شعور بیدار رہے اور وہ مقصودِ حیات کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔ خادمانِ حلقہ کو بھی یہ بات سمجھاتے رہیں تاکہ وہ خود بھی ایک اچھی مثال بنیں اور دوسروں کو بھی نصیحت کرتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین! والسّلام

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ کا خط بنام محمد نوید خان

آپ کا خط ملا۔الحمدللہ ٹیسٹ میں آپ نے اچھی پوزیشن حاصل کی ۔اللہ تعالیٰ ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے اور اطمینان بھری زندگی نصیب فرمائے ۔(آمین) اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب اور معبود سمجھتے ہوئے انسان محبت بھری غلامی کی زندگی گزارے۔سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو۔یہی روشنی اور نُور بھری راہ ہے ۔اس کے برعکس دنیا کی محبت میں پھنس جانا ظلمات میں گھر جانا ہے۔اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے حمایتی اور دوست ابلیسی لشکر ہیں جو انہیں نور سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں ۔اور وہ نماز اور ذکر چھوڑ کر دنیا میں گم ہو جاتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے نور کی راہ نماز، ذکر، تلاوت قرآن اور درود شریف ہے۔یہ پاک اعمال ہیں اور ناپاک ابلیس کے اثرات کو زائل کر دیتے ہیں ۔جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ پانچ وقت نماز ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک انسان اپنے گھر کے سامنے بہتی ہوئی نہر میں پانچ وقت غسل کرے۔کیا ایسے انسان کے جسم پر میل کچیل باقی رہ سکتا ہے! ہرگز نہیں رہتا ۔اسی طرح مومن کی روح پر ماحول سے جو گردو غبار اور میل جمع ہوتا ہے وہ نماز اور ذکر سے دُھل جاتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے ذکر کا راستہ طہارت، قلبی صفائی اور محبت کی ضمانت دیتا ہے ۔خاموشی سے اپنا کام کرتے رہیں ۔اللہ تعالیٰ کی مدد ہر گام پر اور ہر امتحان میں اپنے ساتھ محسوس کرو گے ۔اللہ تعالیٰ کی رضا پر شاکر اور سچے دل سے راضی رہو اور یہ یقین رکھو کہ میرا پیارا مالک وہی کرے گا جس میں میری بہتری ہے اور اس کے ہر فیصلہ کو خوشی سے قبول کرو تو آپ دیکھیں گے کہ واقعی اس کا نتیجہ بہت ہی اچھا اور بابرکت نکلے گا ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو تسلیم و رضا والی زندگی نصیب فرمائے ۔خط لکھتے رہا کریں اور سلسلہ کے فنڈ میں ضرور حصہ ڈالا کریں اس سے بڑی برکات حاصل ہوتی ہیں۔اپنی آمدنی کا ہر ماہ اڑھائی فیصد دینے کا حکم ہے ۔اللہ تعالیٰ بہت سی پریشانیوں سے بھی بچاتا ہے اور دل میں اللہ کی محبت کو فروغ ملتا ہے ۔

والسّلام

اسلام کا مقصد

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

اسلام علم، عشق، خدمت، ایثار اور عدل و احسان کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے وہ ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو ان صفات سے آراستہ ہوں۔ جن کی لذت خدمت میں، دولت قناعت میں، رفعت محبت میں اور مسرت عبادت میں ہو۔ جو شرم وحیاء اور عدل و فضل کے پیکر ہوں، جو بغض وحسد، حرص ونفرت اور خودغرضی وعیاشی سے پاک ہوں۔ جو نوعِ انسان کو ایک کنبہ سمجھتے ہوں اور نسل و رنگ کی قیود سے بالاتر ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کو دار السلام بنا سکتے ہیں۔ اقوام و افراد کے باہمی روابط عدل و میزان کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں، اور کاروانِ حیات کو منزل کی راہ دکھا سکتے ہیں۔

اسلام سے بغاوت:

اسلام ایک آسمانی ڈسپلن ہے جو انسان کو خدا، رسول، اولو الامر، والدین اور اساتذہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے۔ جو ہر چھوٹے بڑے کا مقام معیّن کرتا ہے۔ جو قلب و نظر میں پاکیزگی اور ارادوں میں رفعت بھرتا ہے۔ جو تسلیم و نیاز کا خوگر بناتا ہے۔ اسلام سے فرار گویا خدا، رسول، قانون، والدین اور اساتذہ کے خلاف اعلان بغاوت ہے۔ اگر آج ہمارے لوگ ہر جگہ سرکاری جائیدادیں جلا رہے ہیں، اور حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ظہورِ پاکستان کے بعد حکومت نے اسلام کو فروغ دینے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا، اور ہر وہ حرکت کی، جس سے اسلام کے خلاف نفرت پیدا ہو سکتی تھی۔ مثلاً سینماؤں میں عریاں، حیا سوز اور ذلیل انگریزی فلمیں دکھائیں۔ ولایت سے بدآموز لٹریچر اور مصور رسائل درآمد کئے۔ جگہ جگہ شراب خانے کھولے اور ثقافت کے نام پر رقص و سرود کی ایسی محفلیں جمائیں۔ جن میں

ملک کی حسیناؤں نے تھرک تھرک کرنوجوانوں کے بہیمی جذبات کو برانگیختہ کیا، ہم نے بعض وزراء ،سفراء اوراعلیٰ حکام کو عیش خانوں اور میخانوں میں تو اکثر دیکھا۔لیکن عبادت گاہوں میں قطعاً نہ پایا۔اسمبلیوں کے ممبر ووٹ پرموں ٹھیکوں اوراجاروں کے پیچھے پڑ گئے ۔اہل کارراشی بن گئے۔ نفسانفسی ، لادینی اور زرطلبی کے اس سیلاب میں بڑوں بڑوں کا ایمان بہہ نکلا۔ اساتذہ بھی اس طوفان بدتمیزی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔یہ اصلاح وتبلیغ کے فرض سے غافل ہو گئے، اور ہمارے لاکھوں نوجوان یوں بے سمت چل پڑے جیسے آندھی میں سوکھے پتے اڑ رہے ہوں۔

نوجوانوں کی اس بے راہی کا ذمہ دار کون ہے؟ سب سے پہلے حکومت، پھر والدین اوراساتذہ کی غیراسلامی زندگی اوراس کے بعد ہمارے یہ دلچسپ سیاست دان جو اسلام کے نام پر ووٹ لے کر اسمبلیوں یا وزارتوں تک پہنچے اور وہاں اسلام ہی کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔کیا آج تک کسی سیاست دان نے حکومت سے یہ پوچھا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلام کو فروغ دینے کے لئے کیا کررہی ہے۔

حکومت نے چھوٹے موٹے مسائل مثلاً پریس، لیبر،صنعت، درآمد برآمد وغیرہ پر غور کرنے کے لئے ماہرین کے درجنوں کمیشن بٹھائے لیکن اسلامی تعلیمات کے فروغ، نوجوانوں کی اصلاح اور بقاء کا راز معلوم کرنے کے لئے کوئی کمیشن ترتیب نہ دیا۔ بلکہ اسلام کو بے کار سمجھ کر قطعاً نظرانداز کر دیا۔یوں کہیے کہ ہمارے سیاست دان اللہ ورسول ﷺ سے زیادہ عقل مند بن بیٹھے۔ اور اتنا بھی نہ سوچ سکے کہ جن مسلمانوں نے ایشیاء، افریقہ اور یورپ پر ایک ہزار سال تک نہایت کامیاب حکومت کی تھی ۔ان کی اولاد کیوں اس قدر نااہل نکلی کہ ایک چھوٹے سے ملک (پاکستان) کو بھی نہ سنبھال سکی ۔بات سیدھی سی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی حکومتوں کی اساس قرآن کی لازوال تعلیمات پر رکھی تھی ، اورہم نے خانہ ساز ضوابط کو اپنا رہبر بنالیا اور ہر قدم پر

ہزاروں ٹھوکریں کھائیں ۔اے سیاست دانو! اب بھی وقت ہے کہ تم اللہ کی طرف واپس آ جاؤ خدا اور رسول کے سامنے جھک جاؤ، اسلام سے مذاق کرنا چھوڑ دو ۔اور پاکستان کو ایک ایسا سانچہ بنا دو جس سے عالم، عابد، بلند عزم اور پاک نگاہ انسان ڈھل کر نکلیں ۔

غیر اسلامی زندگی کا انجام:

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہاں بھی وہی حالات پیدا ہو جائیں گے جن سے آج یورپ دو چار ہے یعنی:

1- ہم سب عیاش، خودغرض، سنگدل، لٹیرے اور ملحد بن جائیں گے ۔

2- الحاد کی وجہ سے سینے اضطراب سے بھر جائیں گے ۔

3- خواتین متاعِ بازار بن جائیں گی ۔اور حیا و عصمت کو داستان پارینہ بنا دیں گی ۔

4- جب جوان اولاد آدھی رات کے بعد عیش خانوں سے لوٹے گی ۔اور والدین باز پرس کریں گے، تو جواب ملے گا ۔تم دقیانوسی بوڑھے لوگ اپنے کام سے غرض رکھو، اور ہم جوانوں کے معاملات میں دخل نہ دو ۔

5- زندگی سے اللہ و رسول ﷺ کا حسین تصور نکل جائے گا ۔مذہب کی مقدس قدریں مٹ جائیں گی ۔اور انسان خالص درندہ بن جائے گا۔ تسلیم کہ امریکہ علم و صنعت میں بہت آگے نکل گیا ہے لیکن اس کی انسانیت کا عالم کیا ہے؟ یہ داستان ویت نام کے ان لاتعداد مظلوموں سے سنیے جن پر امریکہ نے آگ برسائی ۔بیس لاکھ سے زیادہ افراد کو ہلاک اور اندازاً تیس لاکھ کو مفلوج و شل بنا چکا ہے ۔آپ جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ جس کا کام قیام امن ہے کا بانی بھی امریکہ تھا اور آج سب سے بڑا باغی بھی یہی ۔اقوام متحدہ چیخ چیخ کر تھک گئی کہ ویت نام کا پیچھا چھوڑو، لیکن بدمست امریکہ سنتا ہی نہیں ۔مذہب نہ رہے تو انصاف، شرافت، محبت اور انسانیت کا جنازہ اٹھ جاتا ہے اور انسان اتنا ہی خطرناک بن جاتا ہے جتنا جنگل میں چیتا، شیر یا اژدھا۔

6- یہ صرف مذہب ہی ہے جو عمل میں حسب، خیالات میں نظم، آرزوں میں رنگینی اور حیات میں مقصدیت پیدا کرتا ہے جو لوگ قبر کو زندگی کا انجام سمجھتے ہیں وہ اس دکھ بھری دنیا سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے اور بات بات پر خودکشی کرتے ہیں۔آج یورپ اور امریکہ میں خودکشی کی بے اندازہ وارداتیں ہو رہی ہیں امریکہ کی ایک سرکاری رپورٹ مظہر ہے کہ چھ ماہ میں کیلیفورنیا کے پانچ لاکھ انسانوں نے خودکشی کی تھی۔

تہذیب نو کا نعرہ لگانے اور اسلام کو ناکارہ قرار دینے والو! جاؤ یورپ میں گھومو۔ وہاں کے معاشرے کا جائزہ لو، ان کی دوشیزہ ماؤں، لاتعداد شراب خانوں، رقص گاہوں اور بدچلن نوجوانوں کو گنو، ان کے دلوں کو چیر کر اضطراب کی وہ بھڑکتی ہوئی آگ دیکھو جس میں وہ جل رہے ہیں۔ان کی حرص، سنگدلی، تمیز رنگ ونسب اور تنگ ظرفی کے مناظر دیکھو اور پھر یہ بتاؤ کہ کیا تہذیب نو، شرافت انسانیت اور محبت کو جنم دے سکتی ہے؟ یہ درست ہے کہ مغرب بے پناہ علم کا مالک ہے لیکن علم نہ غربی ہوتا ہے نہ شرقی۔یہ کل ہمارے پاس تھا اور آج ان کے پاس یہ ہماری ہی ایک گم شدہ متاع ہے اسے واپس لاؤ۔لیکن یہ خیال رہے کہ کہیں ان کے شراب خانے، رقص خانے مکروہ خبیث ہپی اور بے حیا خواتین بھی ساتھ نہ آجائیں۔

روحانیت کی ضرورت:

روحانیت اس حُسن کا نام ہے جو اللہ کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے قرآن کی اصطلاح میں یہ نور کہلاتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں: اوّل وہ چمک اور جاذبیت جو روح سے نکل کر جبیں پہ آجاتی ہے۔

"سجدہ (عبادت) کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہیں"۔ (الفتح 29)

وہ روشنی جو شاہراہِ حیات پہ پھیل جاتی ہے اور انسان کو بھٹکنے یا ٹھوکر کھانے سے بچاتی ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور رسول ﷺ کی بات مانو۔ اللہ تمہیں دہری رحمت سے نوازے گا اور ایک ایسا نور عطاء کرے گا جس کی روشنی میں تم جادہ حیات کو طے کرو گے"۔ (مجادلہ 28)

زندگی سے اس نور کا تعلق وہی ہے جو پھول سے خوشبو کا۔ پھل سے رس کا اور گہر سے چمک کا۔ یہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے کہیں سوز و گداز کا رنگ اختیار کرتا ہے اور کہیں ناز و نیاز کا۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، نوع انسان سے محبت، ہر فرد سے انصاف، ہر شخص کی خدمت، جان و مال کا ایثار، نعمت میں شکر، مصیبت میں صبر، تواضع، تسلیم اور خدائی مشیت میں ڈھل جانا سب روحانیت کے کرشمے ہیں۔ آیات ذیل میں روح کی انہی صفات کا ذکر ہے۔

"اللہ کے بندے گناہ پہ نادم عبادت گزار، معاملہ گو، سیاح، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے منع کرنے والے اور خدائی حدود کے محافظ ہوتے ہیں"۔ (توبہ 112)

"بے شک مسلمان مرد اور عورتیں جو خالص مومن مرد اور عورتیں فرماں بردار، راست باز، صبر کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور عورتیں، خاشع، مخیرّ، پابند صوم، شرم گاہوں کے محافظ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے"۔ (احزاب 35)

حیات اقوام کا انحصار نہ تو دولت پر ہے۔ نہ فراوانی لشکر اور کثرت علوم و فنون پر، بلکہ اس کا تعلق ایک آسمانی آگ یا شعلے سے ہے جو عزم حسن اور عظمت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور اسی کا دوسرا نام روحانیت ہے۔ زوال پذیر اقوام مادیات سے رشتہ جوڑ کر روح کی طاقت سے غافل ہو جاتی ہیں اور نتیجتاً مٹ جاتی ہیں۔

کیا مذہب میں انجماد ہے:

ماڈرن مسلمانوں کا عام خیال یہ ہے کہ ترقی، تغیر وحرکت کا نام ہے اور مذہب تغیر کو گوارہ نہیں کرتا۔ یہ ایک منطقیانہ فریب ہے۔ صداقت ہمیشہ غیر متغیر ہوتی ہے۔ دو اور دو ہر زمانے میں چار رہے ہیں۔ تغیر ان لوگوں میں ہوتا ہے جو صداقت کی طرف بڑھتے ہیں عصر رواں میں ریاضی طبیعات کے ماہرین کائنات کی صداقتوں کی تلاش کر رہے ہیں۔ حرکت ان کے فکر عمل اور نتائج میں ہے۔ نا کہ صداقتوں میں۔ اسلام بھی ایک صداقت ہے۔ نا قابل تغیر تبدیلی ان لوگوں میں آئے گی جو اسلام کی طرف بڑھیں گے۔ ان کا یہ سفر پستی سے بلندی، جہالت سے علم، ضعف سے قوت، کثافت سے لطافت اور اندھیرے سے نور کی طرف ہوگا۔

"اللہ اہل ایمان کی مدد کرتا ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے"۔ (البقرہ 257)

اسلام کو بے کار سمجھنے والے:

پاکستان میں اسلام کا مذاق اڑانے والے ہر جگہ ملتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی حقیقت سے نا آشنا راز بقاوفنا سے ناواقف، کم علم، کج نگاہ اور بے بصیرت ہیں ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو بدکاری اور عیاشی کی وجہ سے خود تو ڈوب چکے ہیں اور دوسروں کو ڈبونا چاہتے ہیں تا کہ کوئی ملامت کرنے والا باقی نہ رہے۔ دوسرے وہ جو یہود کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں۔ ایک کتاب "یہود کی سازش" کے ایک باب کا مضمون یہ ہے کہ

"یہودیوں نے ہر بڑے ملک میں ایسے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جن کا کام عیاشی پھیلانا لوگوں کو مذہب سے متنفر کرنا اور نوجوانوں کو رقص و بادہ کا عادی بنانا ہے تا کہ ان کا نظامِ اخلاق متزلزل ہو جائے اور وہ نا تو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں اور نہ نظریاتی حدود کی۔ یہود کا اپنا

یہ حال کہ ان کا ہر فرد روزانہ تین مرتبہ عبادت کرتا ہے ان میں کوئی شخص نہ جھوٹ بولتا اور نہ رشوت لیتا ہے ۔انہوں نے اپنی محنت سے بے آب صحراؤں کو مرغزاروں میں بدل دیا ہے ۔اور ان کی ریاست میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کارخانے ہی کارخانے نظر آتے ہیں لیکن ہمسایہ مما لک سے یہ سلوک کہ ان کا اخلاقی نظام تباہ کرنے کیلئے ہزاروں ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں مذہب سے متنفر اور عیاشی کی طرف مائل کر رہے ہیں ۔یہ انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ عراق اور شام کے عرب سود کھانے اور شراب پینے پر فخر کرنے لگے ہیں ۔اور ان کے کئی اہل قلم اسلام کے خلاف لکھ رہے ہیں"۔

جب کوئی قوم اپنے نظریات سے بدزن ہو جاتی ہے تو ان کے دفاع کیلئے قربانی نہیں دے سکتی ۔اور کارزار حیات میں پٹ جاتی ہے ۔یہی وہ المناک انجام ہے جس سے آج کل عرب دوچار ہیں ایک وہ زمانہ تھا کہ ان عربوں نے زندہ و طاقتور نظریات سے مسلح ہو کر ساری دنیا کو روند ڈالا تھا اور آج یہ کیفیت کہ یہ چند لاکھ یہودیوں سے خوفناک شکستیں کھا چکے ہیں ۔ اسرائیل کے بیسیوں بمبار ہر روز ان کے شہروں پر ہزاروں بم گراتے ہیں ۔اور یہ بے چارے یا تو آہ بھر کر یا اقوام متحدہ کو ایک چٹھی لکھ کر رہ جاتے ہیں ۔یاد رکھو کے پاکستان کے مذہب دشمن عناصر کے ارادے بھی کچھ ایسے ہی ہیں یہ یا تو یہود کے ایجنٹ ہیں یا اس سرزمین کو عیش خانہ بنانا چاہتے ہیں ۔ جہاں ہر شخص تمام اخلاقی و مذہبی قیود سے اسی طرح آزاد ہو جیسے افریقہ کے جنگلوں میں گوریلے یا بن مانس ۔

دل اللہ کا گھر

(شاہد زبیر)

"تم اپنے دلوں سے بھی فتوے لیا کرو اگر چہ مفتی فتوے دے چکیں"(نبی کریم ﷺ)

خرد اور لشکر کے درمیان کا وہ خالص حصہ جو روح اور نفس انسانی کی درمیانی چیز ہے وہ دل کہلاتا ہے ۔ایک ایسا جوہر نورانی ہے جس پر انسانیت کا دارومدار ہے ۔اس کو حکماء نفس ناطقہ پکارتے ہیں ۔اس کا ظاہر نفس حیوانی اور روح اس کا باطن ہے ۔اس سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا ہے جو جانوروں اور مردوں میں بھی ہوتا ہے ۔لیکن شریعت میں اور صوفیا کی اصطلاح میں قلب بدن کا بادشاہ ہے اور سارا بدن اس کی رعیت ۔جس طرح بندے کے سر کو کاٹ لیں تو بدن زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح قلب کا بھی ایک سر ہے جس سے اس کی زندگی قائم ہے ۔انسان ایک عالم صغیر ہے اور قلب اس کا عرش ۔وہ ایک جوہر نفیس ہے ۔مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر کیا گیا ہے ۔سارا عالم صغیر یعنی قلب کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے اور اس میں آئندہ کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں ۔حتیٰ کہ لوح محفوظ اس میں نظر آ سکتی ہے ۔قلب اس عالم صغیر میں سب سے زیادہ اہم ہے ۔دین، ایمان، اعمال اور روحانیت کا دارومدار قلب پر ہی ہے ۔امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ۔ایک ظاہری ڈھانچہ جسے بدن کہتے ہیں جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے ۔دوسرے باطنی معنی تیری حقیقت ہے ۔اس کے سوا جو چیزیں ہیں وہ اس کی تابع اور خدمت گار ہیں اور ہم اس حقیقت کو دل کہتے ہیں ۔جب ہم دل کی بات کہیں گے تو اس سے انسان کی حقیقت مراد ہوگی ۔اس حقیقت کو کبھی روح کہتے ہیں کبھی نفس ۔موت سے

انسان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ یہی وہ دل ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"میری زمین اور میرے آسمان مجھ کو احاطہ نہیں کر سکتے لیکن میں اپنے مومن، متقی بندے کے دل میں سما جاتا ہوں" (القرآن)

بندے کا قلب اللہ کا عرش ہے جس میں باری تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اسی طرح انسان کا قلب بھی ایک نور ہے، جس کی روشنی تمام موجودات کا خلاصہ ہے۔ اسے عرش سے وہی نسبت ہے جو مرکز کو محیط سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اصلی وطن کی طرف منقلب ہوتا ہے اور دنیا سے آخرت کی طرف پھرتا ہے۔ کرامتیں اور معجزات سب آدمی کے دل کی قدرت سے ہیں اور اسی سے برپا ہوتے ہیں۔ بدن کے سارے اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان تفکر سب دل کے حکم کے تابع ہیں اللہ نے اسے پیدا کر کے اسے ایک سلطنت لشکر اور سواری عطا فرمائی تا کہ عالم سفلی سے عالم بالا کی سیر کرے گویا اگر کوئی اس کی بندگی کا حق ادا کرنے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ بادشاہ کی طرح حکومت کرے مسند پر براجمان ہو۔ بارگاہ ربوبیت کو اپنا مقصود اور آخرت کو اپنا حقیقی وطن بنائے۔ پھر اسے ولی نور عطاء ہوتا ہے جس سے دنیا کے میدان جنگ میں عقل اور ایمان اس کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "تم اپنے دلوں سے بھی فتوے لیا کرو اگر چہ مفتی فتوے دے چکیں"۔

قلب وہ روح ہے جو بدن میں چھپی رہتی ہے اور جسم سے تمام انسانی اعمال کا ظہور ہوتا ہے روح، لطیفہ بدن کا رب، حسی حیات کا مصدر نوائے انسانی پر فیضان حیات کا منبع ہے۔ یہ وہی پرتو ہے، جس کے جسم میں آنے سے جسم زندہ ہو جاتا ہے اور جب یہ جسم سے نکل جائے تو جسم کو موت آ جاتی ہے۔ یہی حرکت کا سبب ہے۔ جب دل میں روح داخل ہوتی ہے تو دل بالذات روح

ہوجاتا ہے۔یعنی دل روح کا مقام ہے ۔یہ وہ شعور ہےجس کا براہ راست خالق سے رابطہ و رشتہ ہے۔یہ روح حیوانی پر ایک اضافی چیز ہے جس کا نور روح حیوانی پر ڈالا جاتا ہے جس سے روح انسانی بیدار ہوتی ہے قرآن میں اس روح کے پھونکنے سے قبل انسان کا ذکر محض صیغہ غائب میں کیا گیا ۔"اس کی تخلیق کی گئی"۔"اس کی نسل نسل چلائی گئی"۔ "پھر اس کے اندر روح پھونکی"۔گویا وہ اس وقت تک خطاب کے لائق نہ تھا۔پھر جب روح پھونک دی گئی تو فرمایا گیا تم کو کان دیئے ۔تم کو آنکھیں دیں ،تم کو دل دیے۔گویا حامل روح ہونے کے بعد ہی انسان اس قابل ہوا کہ اس سے مخاطب ہوا جا سکے ۔اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل یعنی قلب یعنی اس روح سے روشناس ہو۔اس کی پہچان کرے کیونکہ وہ ایک عمدہ گوہر ہے۔اس کا تعلق ملائکہ کے جنس سے ہے۔اس کا اصلی مخزن بارگاہ ربوبیت ہے۔دل سے مراد روح کی حقیقت ہے اور جب تک دل کو جان نہ لیا جائے اس کی حقیقت سے ناآشنا رہے گا۔نفسیؒ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنے بندہ کے جوف میں ایک گھر بنایا ہے اور اس کا نام دل رکھا ہے ۔اس کی زمین معرفت ہے ۔اس کا آسمان ایمان ہے اسکا آفتاب شوق ہے۔اسکا چاند محبت ہے ۔اس کی مٹی ہمت ہے ۔اسکا رعد خوف ہے ۔اس کی بجلی امید ہے ۔اسکا ابر فضل ہے ۔اس کی بارش رحمت ہے ۔اس کا درخت دنیا ہے ۔اسکا پھل حکمت ہے ۔اسکا دن فراست ہے ۔اور یہی اس کی روشنی ہے اس کی رات معصیت ہے اور یہی تاریکی ہے ۔اس میں ایک دروازہ علم کا اور ایک حلم کا ہے ۔ایک دروازہ یقین کا ایک دروازہ غیرت کا اور اس میں ایک ستون انس کا، ایک ستون توکل کا، ایک ستون صدق کا اور اس میں فکر کا قفل لگا ہوا ہے ۔مرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی ۔

مجاہدہ نیک اعمال اور اخلاص کی بنیاد ہیں ۔اللہ تعالیٰ اور اس کا عرش بندہ مومن کے دل میں سما جاتے ہیں ۔جس دل میں خدا کا عشق آ جائے اس میں غیر اللہ کا حصہ حرام ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ اللہ کا گھر ہے اس لئے علماء حکماء اور فقراء اس کو توڑنے سے گریز کا حکم دیتے ہیں۔ دل کا توڑنا دوست سے دوری ہے۔ عشق میں اس کی قربت ہے۔ خواجہ معین الدینؒ کی ایک رباعی اس طرح ہے کہ "عشق آیا اور میرے رگ و ریشہ میں خون کی طرح داخل ہو گیا۔ عشق نے مجھے اپنے آپ سے خالی کر دیا میرے اندر دوست بھر دیا۔ میرے وجود کے سب اجزاء دوست نے لئے اور میرا نام ہی رہ گیا باقی سب وہی ہے"۔

مناقب رومی میں شیخ فریدالدین عطارؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

"دل تو لوحِ محفوظ ہے۔ تو جو چاہے گا اس سے ملے گا اور جو دیکھنا چاہے گا، دل میں نظر آئے گا"۔

یحیٰی بن معاذیؒ سے مروی ہے کہ مومن کا دل ایک جوف دار گوشت کا لوتھڑا ہے جس سے ربانی جوہر بھرا ہوتا ہے۔ اس کے اردگرد فردانیت کا باغ ہوتا ہے۔ اس کے نیچے نورانی صحن ہوتا ہے۔ مجربات امام غزالیؒ میں لکھا ہے کہ جو قلب صحیح اور ہر ایک علت سے سالم ہے۔ اس پر معلومات ملکوت سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی کیونکہ قلب صحیح حق کا وطن ہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے مواعظ میں نور باطن پر بحث کی ہے۔ سید الشہداء کی مناجاتیں تو اسکی تجلی سے لبریز ہیں۔ (صحیفہ کاملہ) قلب کا سر اسکا لطائف کو ادراک کرنا ہے جس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ بصیرت، تذکرہ، مراقبہ، تمیز، اور فکر۔ حق تعالٰی کی معرفت اور اس کا مشاہدہ ہی قلب کی صفت ہے۔ جو عبادت کا مکلف ہے۔ اسی کو احکامات جاری کئے جاتے ہیں اور اسی کی حقیقت اور صفات کو پہنچانا حق تعالٰی کی معرفت کی کنجی ہے۔ عرفاء کا بیان ہے کہ دلوں کو معرفت سے سجایا گیا ہے اور انہی میں ہدایت کے چراغ روشن ہیں۔ روحانی ترقی کے لئے مکمل ترکِ نفس، ذکر و فکر الٰہی اور مکمل انہماک لازم ہے۔ اسی انجذاب اور توجہ قلب سے ہی ذات باری اور حق کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہی قلب حق تعالٰی کی معرفت کا محل ہے۔ اس کا کام سعادت کی تلاش ہے کیونکہ

اس کو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔قربِ الٰہی کی نیت حقیقی عبادت ہے۔پھر حق ان لوگوں کے دلوں سے کلام کرتا ہے۔جو خلوص نیت سے قلب یعنی عقل کل سے کام لیں۔خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو "فی سرِ قلبی" کسی توسل کے بغیر علم بخشتا ہے۔یہی علم لدنی۔انسان کے نظام فکر میں دل ہی وہ مرکز ہے جہاں دوست کا گزر رہتا ہے جس سے دوئی کا کائناتی تصور انسانی رشتہ سے بالکل نکل جاتا ہے۔جیلانی کامران نے لکھا۔"یہ نظام فکر انسانی، دل کو مرکز بنا کر دوست کو ہر جگہ حاضر اور موجود گردانتا ہے"۔قلب کی دنیا کے عجائبات کی انتہا نہیں۔تمام جسم میں اسی دل کو تمام بزرگی اور شرافت حاصل ہے۔یہ مقام اسے قدرت کے سبب حاصل ہے۔کہا گیا کہ قلب کے اندر صاف خون کے بارہ قطرہ ہوتے ہیں۔یہی خون زندگی کا مرکز ہے اور انہی قطروں میں سے ایک قطرہ روح کا مرکز ہے۔عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے ذہن میں سو بندے ایسے ہیں جن کے دل آدمؑ کے دل کی طرح ہیں۔اور چالیس ایسے ہیں جن کے دل موسیٰ کے دل کی طرح ہیں اور سات ایسے ہیں جن کے دل ابراہیمؑ کے دل کی طرح ہیں اور پانچ ایسے ہیں جن کے دل جبرائیل کی طرح ہیں۔اور تین ایسے ہیں جن کے دل میکائیل کی طرح ہیں اور ایک بندہ ہے جس کا دل اسرافیل کی طرح ہے یافعیؒ نے کسی کی روایت سے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے قلب کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب مبارک سے اشرف کوئی قلب پیدا نہیں کیا۔

وقت کے ضیاع سے پرہیز

(حافظ محمد ھارون)

آج کل وقت کے ضیاع کا مرض بھی وبائے عام کی طرح پھیلتا جارہا ہے زندگی کے قیمتی شب وروز فضولیات میں ضائع ہورہے ہیں لیکن اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوتی وقت جو ماضی حال اور مستقبل کا نام ہے ماضی جو وقت گزرگیا، حال جو وقت گزر رہا ہے اور مستقبل آنے والے وقت کو کہا جاتا ہے عقلمند اس وقت کی قدر و قیمت کو جانتے اور اسے کام میں لاکر قیمتی بنانا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں بے شک وقت انسان کی بہترین پونجی اور گراں قدر سرمایہ ہے تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے ذاتی یا قومی اعتبار سے کوئی کارنامہ سرانجام دینا چاہا تو انہوں نے وقت کی قیمت کو سمجھا تو کامیاب ہی رہے ورنہ وقت کی ناقدری کرنے والوں کے دامن میں کامیابی کا ثمر نہ کبھی کھلا ہے اور نہ کبھی کھل سکتا ہے آج ہم جن شخصیات کا نام بطور مثال استعمال کرتے ہیں ان کی صفات حسنہ میں سب سے اہم وقت کی قدر دانی تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وصف ترقیوں کی طرف لے جانے والا زینہ اور تمام تر بلندیوں کی اساس ہے۔

آج ملنے والا وقت ایک بے بدل نعمت ہے آخرت میں آج کی بوئی ہوئی فصل کاٹی جائیگی اگر آج وقت کا صحیح استعمال کرلیا تو کل فصل بھی شیریں اور مزیدار حاصل ہوگی اور اگر وقت یوں ہی فضولیات میں گنوا دیا تو فصل بھی تلخ اور بدمزہ ہوگی۔

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ! ہر روز جب صبح کو آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے کہ آج اگر کوئی بھلائی کرسکتا ہے تو کرلے ،آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول اقدس ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں ایک صحت دوسری فراغت۔ یقیناً صحت کی قدر اس وقت آتی ہے جب بیماری کی تکلیف ستانے لگتی

ہے اور دوسری نعمت یعنی فراغت کی قدر و قیمت ان لوگوں سے معلوم کی جائے جو فراغت کے لمحات کو ترستے نظر آتے ہیں ۔لہٰذا سوچنے کی بات ہے کہ وقت نے تو ہر حال میں گزرنا ہی ہے چاہے ہم اسے کام میں لائیں یا نہ لائیں جب وقت نے گزرنا ہی ہے تو کیوں نہ اس سے کچھ استفادہ کرلیا جائے ۔حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مدت تک صوفیاء کرام کے پاس رہا۔ ان کی صحبت سے مجھے دو باتیں معلوم ہوئی ہیں ایک یہ کہ وقت تلوار کی مانند ہے آپ اس کو کسی عمل میں کاٹیئے ورنہ حسرتوں میں مشغول کر کے وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا۔اور دوسری بات یہ کہ اپنے نفس کی حفاظت کریں کیونکہ اگر آپ نے اسے اچھے کاموں میں مشغول نہ رکھا تو وہ آپ کو کسی بُرے کام میں مشغول کردے گا۔اس لئے عزیز دوستوں کو دعوت فکر ہے کہ وقت کی قدر و قیمت کو سمجھئے اور اسے کام میں لایئے ۔

وقت کے ضائع کرنے کا نقصان:

اگر چہ وقت کا بے کار کھونا عمر کا کم کرنا ہے لیکن اگر یہی ایک نقصان ہوتا تو چنداں غم نہ تھا ۔کیونکہ دنیا میں سب کو عمر طویل نصیب نہیں ہوتی لیکن بہت بڑا نقصان اور خسارا جو بے کاری اور تضیع اوقات سے ہوتا ہے وہ یہی کہ بے کار آدمی کے خیالات ناپاک اور زبوں ہوجاتے ہیں اور طرح طرح کے عوارض جسمانی و روحانی میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔حرص و طمع ،ظلم و ستم ،حق تلفی نافرمانی ،زنا کاری اور شراب خوری عموماً وہی اشخاص کرتے ہیں جو معطل و بے کار رہتے ہیں انسان کچھ نہ کچھ کرنے کے واسطے بنایا گیا ہے جب تک اس کی طبیعت اور دل و دماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا۔پس انسان اگر انسان بننا چاہتا ہے اور زندگی کو بآرام بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو سب کاموں سے مقدم کام اس کے واسطے یہ ہے کہ وہ اپنے وقت پر نگران رہے ۔ایک لحہ بھر بھی فضول نہ کھوئے اور ہر کام کیلئے ایک وقت اور وقت کیلئے ایک کام مقرر کردے ۔ورنہ جو شخص وقت کو برباد کرے گا وقت اس کو برباد

کردے گا اگر آپ غور کریں گے تو نوے فیصد لوگ صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ کہاں اور کیوں خرچ کر رہے ہیں۔

وقت کا نام ہی زندگی ہے:

نوجوان دوستو! کیا آپ کو اپنی زندگی سے محبت ہے؟ اگر ہے تو وقت کو برباد نہ کیجئے ۔کیونکہ اسی کا نام زندگی ہے اور ایک ساعت کی بربادی سے جو نقصان ہوتا ہے ۔بقائے دوام بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ اور یہ کمی کبھی پوری نہیں ہوتی سچ یہ ہے کہ وقت کو ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کیلئے زندگی سے محروم کر دیتی ہے اور وقت کو ضائع کرنا ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنا دیتا ہے۔ یہی گھنٹے اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتے ہیں ۔اگر انسان حساب کرے تو ان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ کی عمر سے پانچ دس سال کم کر دیئے گئے ہیں تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا لیکن وہ معطل بیٹھا ہوا خود اپنی عمر عزیز کو برباد کر رہا ہے مگر اس زوال وفنا پر کچھ افسوس نہیں کرتا اور دائمی اضطراب میں مبتلا رہتا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ وقت کے گزر جانے کے بعد افسوس بے نتیجہ ہے۔

پھر پچھتائے کیا ہوت　　　　جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

موت پر اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ وقت کے ضائع ہو جانے پر دوزخی یہی کہیں گے اے خدا تعالیٰ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔

ہر کام اپنے وقت پر کریں:

کامیابی کسی تھوڑے سے وقت یا پے در پے کام کرنے پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ وقت کی مناسب تقسیم پر ہی منحصر ہے ۔ہر کام اپنے وقت پر پورا ہو، کام میں بے جا تقدیم وتاخیر بھی غفلت کے مترادف ہے۔ اس لئے اہل عقل کے نزدیک قبل از وقت کوئی کام کرنا، یا بے جا تاخیر کرنا محذور و متروک ہے عمل اپنے وقت مقررہ اور مناسب انداز کے مطابق ہونا چاہیئے ۔''دن اور

رات کا وقت اللہ نے مقرر کر دیا ہے"۔ اس لئے غافلین کو اللہ تعالیٰ نے زبردست زجر و توبیخ فرمائی ہے اور ان کے عاقبت بد اور خسارے کو پر زور الفاظ میں ادا کیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ہم نے اس قسم کے بہت سے انسان دوزخ کے لئے پیدا کیئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے ان کی آنکھیں ایسی ہیں جو نہیں دیکھ سکتیں۔ اور جنکے کان ایسے ہیں جن سے وہ سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور لوگ غافل ہیں" حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے تھے۔ یا اللہ! اوقات زندگی میں برکت دے اور انہیں صحیح مصرف پر لگانے کی توفیق عطا فرما' حضرت رسول اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کا ترجمہ ہے! کوئی دن ایسا نہیں جب وہ شروع ہوتا ہے مگر یہ کہ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے انسان میں ایک نو پیدا مخلوق ہوں۔ میں تیرے عمل پر شاہد ہوں مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو کر لے۔ میں تو اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ نیز رسول کائنات ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ مومن کے لئے دو خوف ہیں ایک عاجل جو گزر چکا ہے معلوم نہیں خدا اس کا کیا کرے گا ایک اجل، جو ابھی باقی ہے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اس میں کیا فیصلہ صادر فرمائے؟ تو انسان کو لازم ہے کہ اپنی طاقت سے اپنے نفس کے لئے اور دنیا سے آخرت کے لئے جوانی سے بڑھاپے کے لئے اور زندگی سے قبل از موت کچھ نفع حاصل کر لے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وقت کے ضیاع سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

اخلاق حسنہ انسانیت کی بنیاد

(مولانا ممتاز عالم)

آئر لینڈ کی ایک مثل مشہور ہے اگر دولت گئی تو کچھ نہیں گیا، صحت گئی تو کچھ گیا اور اخلاق گیا تو سب کچھ چلا گیا۔ اخلاق ایک انسانی روّیہ کا نام ہے، دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیرو کاروں کو اخلاقی قدروں کی تعلیم نہ دیتا ہو اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اخلاقی قدروں کے بغیر انسانی زندگی نامکمل سمجھی جاتی ہے۔ ایک انسان اگر اخلاقی قدروں سے خالی ہے تو وہ صحیح معنوں میں انسان ہی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اخلاق انسانیت کی روح اور اس کی بنیاد ہے، انسان اگر پھول ہے تو اخلاق رنگ و بو، انسان اگر مجسمہ ہے تو اخلاق اس کی صورت کی زندہ حقیقت۔

جس طرح ایک پھول بغیر رنگ و بو کے بیکار ہے، ایک جسم بغیر روح کے ناقابل توجہ اور ایک صورت بغیر حقیقت کے زندہ اور متحرک نہیں ہو سکتی، اسی طرح ایک انسان بغیر اخلاق کے کاغذی تصویر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے مثلاً سیاست و قیادت، صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ میں اخلاقی قدروں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اخلاق کیلئے انسان کا ضمیر جواب دہ ہے، قانون کی خلاف ورزی پر عدالت سے سزا ملتی ہے، مگر اخلاق کے اصولوں کی پابندی رضا کارانہ طور پر کی جاتی ہے۔ اخلاقی اصول وضوابط ہر ملک، ہر دور میں موجود رہے ہیں، اور دنیا کے ہر مذہب نے اخلاقی قدروں کا درس دیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے اب تک جتنے پیغمبر، پیشوا، رشی منی، ہادی اور مصلح وغیرہ دنیا میں تشریف لائے ہیں وہ اخلاقی قدروں کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ مگر اخلاق کا جو ہمہ گیر درس مذہب اسلام نے دیا دنیا کے جملہ مذاہب اس سے خالی ہیں۔

اسلام نے اخلاق کو اعلیٰ ترین مقام و مرتبہ عطا فرمایا، یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ نے

فرمایا کہ ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں''۔اس سے واضح ہوا کہ اسلام سے قبل اخلاق حسنہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، بلکہ ہر قوم کو ان محدود معاشرتی وسماجی زندگی کے مطابق انہیں اخلاقی قدروں کی تعلیم دی گئی تھی، مگر چونکہ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر دین کی تکمیل ہوئی تھی اس لئے آپ ﷺ کو دنیا کا سب سے بڑا معلم اخلاق بنا کر بھیجا گیا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہو'' **اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيم** ۔''یعنی آپ ﷺ ہی خلق عظیم کی بلندیوں پر فائز ہیں اور پھر رسول اکرم ﷺ نے اخلاق کی ہر ہر قدر کو نکھارا اور سنوارا اور دنیا کے سامنے ایک مکمل ترین نظام اخلاق کی صورت میں پیش فرمایا جس کو دیکھ کر دنیا کے ہر باشعور انسان نے اس کی عظمت وبلندی کا اعتراف کیا۔رسول اکرم ﷺ نے بعض جگہ اخلاق کو جنت میں جانے کا ذریعہ قرار دیا۔ارشاد فرمایا:''تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک تم مومن نہ ہو اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے اختیار کرلو تو باہم محبت سے رہنے لگو، آپس میں سلام کو رواج دو (پھیلاؤ) رسول اکرم ﷺ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: انسان ایمان کی حقیقت کو اس وقت پائے گا جب وہ لوگوں کیلئے بھلائی میں سے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ایک اور مقام پر اخلاقی قدروں کو اسلام کیلئے اس طرح مشروط فرمایا، مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے اخلاق کے حاملین کو مومن اور بُرے اخلاق والوں کو منافق فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مومن وہ ہے جو وعدہ کو پورا کرے۔جب گفتگو کرے تو اس کی زبان سے سچ ہی نکلے جب اس کو امانت دار بنایا جائے تو وہ امین ثابت ہو، خیانت نہ کرے، ایک جگہ اور ارشاد فرمایا جو بے وفائی کرے، جھوٹ بولے خیانت کرے، غیبت اور چغلی کرے وہ منافق ہے۔یہاں تک کہ بغیر محاسن اخلاق کو اپنائے ہوئے محض نماز اور روزہ بھی کارآمد اور موجب نجات نہیں ہے۔

رسول نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا تم جانتے ہو کہ میری اُمت کا نادار اور مفلس شخص کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا جس کے پاس مال نہ ہو۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

نہیں، بلکہ وہ شخص جو نماز اور روزہ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، مگر اس نے لوگوں کے حقوق پر ڈاکے ڈالے تھے، ان کے اموال غصب کیے تھے، غیبت اور چغلی کی تھی، خونِ ناحق کیا تھا، پس جب اللہ کی بارگاہ میں اس کے خلاف لوگ فریاد کریں گے، تو اس کے سارے اعمال فریادیوں کو دے دیئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے پڑوس میں دو عورتیں ہیں ایک تو شب و روز عبادت میں مشغول رہتی ہے، مگر پڑوس والے اس کی بداخلاقی سے ناخوش اور نالاں ہیں اور دوسری محض فرائض و واجبات ہی ادا کرتی ہے مگر پڑوسی اس سے خوش ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پڑوسی خوش ہیں وہ اچھی ہے اور جنت میں جانے والی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اخلاق کا درس موجود ہے ان میں سے چند کو پیش کیا جا رہا ہے:۔

1) ''اپنے ربّ کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو، جو سب سے بہتر ہو بے شک تمہارا ربّ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور خوب جانتا ہے راہ والوں کو اور اگر تم سزا دو تو ایسی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر، صبر والوں کو سب سے اچھا''۔(النحل: ۱۲۵-۱۲۶)

2) اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو اس سے ڈرتے اور طمع کرتے بے شک اللہ کی رحمت نیکیوں سے قریب ہے۔(الآعراف ۵٦)

3) اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ میں جواب کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔(النساء ۸٦)

4) ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔(النساء ۱۱۴)

ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں

مسعودہ اسٹین (برطانیہ) (محمد انور میمن)

تمام مذاہب کے مطالعہ کے بعد میں نے اسلام قبول کیا۔

میرا نام مسعودہ اسٹین ہے اور میں نسلاً انگریز ہوں۔ خالق کائنات کے ساتھ انسان کے تعلق کا کھوج لگانے میں، میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال صرف کئے۔ میں ایک متمول عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ مالی آسودگی کے اعتبار سے ہمیں دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی لیکن جس چیز کی کمی محسوس ہوتی تھی وہ ذہنی سکون اور اطمینان تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے دنیا کا وہ رخ دیکھا جس میں ہر انسان ذاتی مالی فوائد کے حصول میں اندھا نظر آتا تھا۔ ہر شخص ہر قیمت پر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہر اچھا برا کام کرنے میں مشغول تھا اور خود کو کسی قسم کی اخلاق قیود کا پابند تصور نہیں کرتا تھا۔ میں بچپن ہی سے چرچ جایا کرتی تھی لیکن جب میں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو میں نے محسوس کیا کہ چرچ میری ان روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہے جو جدید دور کے تقاضوں کے مقابلے میں کسی انسان کو پاکیزہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ دلائل اور وجوہ سے عاری اس پریکٹس میں، میں نے خالق کائنات سے تعلق کو بے حد کمزور محسوس کیا لیکن اس نتیجہ پر پہنچی کہ تکلیف اور پریشانی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جو کمزور انسان کے حوصلے کو بلند کرتی ہے۔ درحقیقت عقیدہ تثلیث خدائے واحد سے تعلق کو تقسیم کر دینے کا سبب بنتا تھا اور یہی چیز میرے مذہب کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ خالق کائنات اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے اسے مضبوط بنانے میں اہم ترین کردار مذہبی عبادتیں ادا کرتی ہیں عیسایت کی تعلیمات اور بائبل کے وسیع مطالعہ کے بعد میں نے دیگر مذاہب کا مطالعہ شروع کیا بدھ مت، ہندوازم، یہودیت، کمیونزم اور ان کے علاوہ موجودہ زمانے میں پائے جانے والے تمام نظام ہائے زندگی کا مطالعہ کر ڈالا لیکن میری پیاس بجھ نہ سکی۔

میں گھنٹوں تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرتی تھی اور انسان کے مقصدِ زندگی پر غور کیا کرتی تھی۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کائنات میں اس کا تخلیق کیا ہوا ایک معمولی سا ذرہ ہے اس ذرے کی تخلیق بے سبب نہیں۔تخلیق کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ بنانے والے کے مقاصد کی تکمیل کرے۔خالق اور مخلوق کے درمیان بندگی کا یہ رشتہ زندگی کو با مقصد بناتا ہے۔اس رشتہ کو مضبوط بنائے بغیر زندگی میں خوشیوں کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے اپنے سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لئے اس دور کے سارے مفکرین کی کتابوں کو پڑھ ڈالا۔کالر لائل کی "ہیروز اینڈ ہیر شپ"۔جی کے چیٹرٹن کی "سم ٹوتھنک آف"۔اینڈ منڈ برکی"۔"ریفلیکشنز آن دی ریولیوشن ان فرانس"۔سویڈن برگ کی"ڈاکٹرین آف لائف"۔جیمز ہیرنکس کی "اوشیانا" اور ان کے علاوہ جو کتابیں مجھے ملیں میں پڑھتی چلی گئی لیکن میرے دل میں لگی ہوئی آگ بجھ نہیں سکی۔انہیں دنوں تقابل ادیان پر ایک رسالہ میرے مطالعہ میں آیا۔اس کا مصنف کوئی غیر معروف مسلمان تھا۔اس نے لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی شناخت اور دریافت اور دنیا میں امن وچین اور سکون کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان آسمانی کتابوں پر ایمان رکھے جو وحی الٰہی کی شکل میں اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں پر انسان کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئیں۔جیسے ایک باپ اپنے بچوں کی قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہر دور میں رسول اور نبی بھیجتا رہا ہے تورات ،زبور، انجیل اور قرآن مجید سب انسانوں کی رہنمائی کیلئے بھیجے گئے صحیفوں کی ایک کڑی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے لوگو! تمہارے پاس ربّ کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو سیدھی راہ اختیار کرے،اس کی راست روی اسی کے لئے مفید ہے اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی اس کے لئے تباہ کن ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی ذمہ دار نہیں ہوں"۔(القرآن 10:108)

اسلام سے پہلا تعارف ہونے کے بعد میں نے قرآن مجید کا پورا ترجمہ پڑھ ڈالا۔ سچ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ اسلام کو سمجھنے کیلئے مجھے کسی شخص کی ضرورت نہیں کیونکہ

قرآن مجید کی شکل میں اللہ تعالیٰ براہ راست مجھ سے مخاطب تھا اور مجھے براہ راست ہدایات تک پہنچ حاصل ہوگئی تھی۔قرآن میں جا بجا نہایت واضح اور دوٹوک الفاظ میں انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بندگی کے تعلق کا بیان تھا میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ وہی پیغام ہے جس کی میں طویل عرصے سے تلاش میں تھی۔قرآن کی ہر آیت اتنی صریح اور واضح تھی کہ اسے کسی ثالث کی ضرورت نہ تھی۔میں جوں جوں پڑھتی گئی قرآن میں گم ہوتی چلی گئی اور اس روحانی سفر کی تکمیل بالآخر قبول اسلام پر ہوئی۔اپنے عیسائی بھائیوں کو میرا پیغام ہے کہ عیسایت زندگی کے روحانی پہلو پر زور دیتی ہے۔اس میں محبت کا جو پیغام ہے اس سے ہر عیسائی پر انتہائی اہم فرض عائد ہو جاتا ہے۔لیکن یہ محبت اس وقت انسان کو گمراہ کر دیتی ہے جب وہ تعصب کا سبب بن جائے اور انسان جانبداری اور تعصب کی عینک سے ہر شے کو دیکھنے لگے صرف وہی شخص عیسایت کا صحیح شعور حاصل کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے رشتے کو سمجھ لے اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی پٹی اتار پھینکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان سے پہلے کے رسول اور پیغمبر سب اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے اور انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا فرض ادا کیا۔بدقسمتی سے عیسائیوں کے ساتھ ان کا تعلق جو انجیل مقدس کی شکل میں تھا وقت گزرنے کے ساتھ کمزور ہو گیا۔مختلف ادوار میں انجیل مقدس کو بار بار اسطرح مرتب کیا گیا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے کلام سے انسانوں کے کئے ہوئے اضافوں کو الگ نہیں کر سکتی۔ایس ٹی کالرج اپنی کتاب Aids to Reflection میں لکھتا ہے "جو شخص سچ جاننے کے مقابلے میں عیسایت سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اس کی یہ محبت عیسایت کے مقابلے میں چرچ کے کسی خاص فرقہ کی محبت بن جاتی ہے اور وہ ایک بڑی برادری کا حصہ بننے کے بجائے ایک چھوٹے سے فرقہ کا جزو بن کر رہ جاتا ہے اس کے مقابلے میں اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو رنگ نسل قوم اور سماج سے قطع کر کے ایک عالمی برادری کا حصہ بنا دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں سچ تلاش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے آمین۔

ھے عرش بھی نیچا جو ھو پرواز مسلسل

(پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی)

آج زندگی کا وہ لمحہ مجھے یاد آرہا ہے جس کو میں نے بڑی شدت سے بھولنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لمحہ نہیں بلکہ لمحات زندگی تھے مجھے بہت انمول لگتے ہیں لیکن وہ تو گزر گئے میں انہیں یاد رکھوں تو اداسی کے سوا کچھ نہیں اگر بھول جاؤں تو زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے زندگی خوشی کا نام تو ہے نہیں اس میں خوشی کے لمحات کم اور کرب واذیت کے اوقات زیادہ ہیں ایسا کیوں ہے؟ اس کا سادہ سا جواب ہر ایک کے پاس ہے کوئی انہیں بیان کر کے دل کا غبار نکال کر سچا کہلاتا ہے بلکہ سچا بن جاتا ہے اور دوسرا جاننے کے باوجود اس کو چھپاتا ہے تو پھر کبوتر کی طرح بلی کے سامنے آنکھیں بند کر لینا چاہتا ہے یا پھر اپنے آپ کو مزید اندھیروں میں رکھ کر دھوکے اور ظلمت کے کنوئیں میں پھینک کر طفل تسلیاں دیتا ہے حقیقت دراصل یہ ہے کہ کرب واذیت ہی میں زندگی ہے اگر یہ ختم ہو جائیں تو پھر زندگی بے مقصد ہو جائے پھیکی اور بے مزہ ہو کر رہ جائے ضرورتیں، مسائل نہیں ہیں یہ کرب واذیت نہیں ہیں یہ تو زندگی کو رواں رکھنے کیلئے گیئر ہیں جو زندگی کو مزید فعال و چست بناتے ہیں دنیاوی زندگی ہانڈی میں ابال کا نام ہے مزید حرارت دو گے ایک اور ابال آئے گا اگر آگ ہٹا لو گے تو ہانڈی ٹھنڈی اور مطلوب ناپختہ رہے گا اگر ابال آئیں گے تو مطلوب پختہ ہوگا اور ہانڈی پک جائے گی ہانڈی کے پکانے کیلئے آگ اور ایندھن کی ضرورت ہے اور ابال کا آنا ضروری ہے مقصود کے حصول کیلئے ضرورتیں ناگزیر ہیں یہ ضرورتیں مقصود نہیں ضرورتوں کو چلانا ہے مقصود کو اپنانا ہے۔ کمرہ (باطن) روشن نہ ہے اندھیرا بذات خود گمراہی ہے اندھیرے کی دوری کیلئے روشنی کی ضرورت ہے روشنی کیلئے ٹارچ، موم بتی، لال ٹین، بجلی کا بلب، قندیل وغیرہ درکار ہیں اب یہ تمام چیزیں روشنی کے حصول کیلئے ذرائع اور

ضرورتیں ہیں مقصود نہیں، مقصود روشنی ہے گرمی سے خلاصی کیلئے پنکھا، ائیر کولر، اے سی، وغیرہ ضرورتیں ہیں اصل مقصود نہیں یہ تو مقصود تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔ہم نے ضرورتوں اور ذرائع کو سب کچھ سمجھ لیا ہے جس وجہ سے ہم حقیقت سے بہت دور چلے گئے ہیں یہ ضرورتیں رنگین باغ ہیں درخت ہیں پھول ہیں، پھل نہیں کسی حوالہ سے ان پھلوں کو مقصود بنالیں یہ بھی کوتاہ اندیشی ہوگی ۔باغ کے پھل وغیرہ کو مقصود سمجھنے والا ہی بھٹکا ہوا ہے اصل میں مقصود بھوک مٹانا ہے اس دنیاوی زندگی میں آپ کو عقل مند کم نظر آئیں گے، زیرک اور فرزانہ صفت لوگ کم نظر آئیں گے۔ سطحی سوچ کے حامل آپ کو بہت ملیں گے گہری سوچ کے حامل اور دور اندیش لوگ کم نظر آئیں گے ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ ہم اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو کبھی بھی کما حقہ استعمال نہیں کرتے اور اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے، نعمتوں کا استعمال نہیں جانتے ،ہمیں یہ نعمتیں بغیر مانگے اور بغیر محنت کے مل گئیں اس لیے ان کی قدر نہیں کی۔نعمت کی قدر وہ جانتا ہے جو اس نعمت سے یا تو محروم ہوتا ہے یا اس کے پاس وہ نعمت ضرورت سے قدرے کم ہوتی ہے۔بے شمار نعمتیں جو ہمیں دی گئی ہیں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ انہیں کہاں استعمال کیا؟ ہر نعمت کے پیچھے منعم کی عنایات کا لمبا سلسلہ ہے، نعمت منعم کی عطا ہے۔ہم لاشعوری طور پر نعمتوں سے مستفید بھی ہوتے ہیں لیکن منعم کو ہرگز یاد نہیں کرتے نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔منعم عارضی اور منعم حقیقی دو ہستیاں ہیں ہم منعم عارضی کو سامنے دیکھ کر وقتی طور پر زبانی شکریہ ادا کر لیتے ہیں لیکن قلبی شکریہ ادا کرنے سے پھر بھی قاصر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے پس پردہ منعم حقیقی کو بھول جاتے ہیں اس کیلئے ہماری زبان سے شکر کے الفاظ ادا نہیں ہوتے۔مجھے اللہ تعالٰی کی ایک نجس مخلوق یاد آ گئی انسان تو اشرف المخلوقات ہے وہ نجس مخلوق منعم عارضی کا شکریہ اس قدر ادا کرتی ہے کہ انسان کی آنکھیں شرم کے مارے جھک جائیں اور گردن بھی۔وہ نجس مخلوق کتا ہے، انسان کا رتبہ سب مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہے لیکن شکر کم

کرنے اور شکر نہ کرنے کی وجہ سے اس سے بھی نیچے چلا جاتا ہے کہ کتے کے اندر چند ایسی صفات ہیں اگر حضرت انسان انہیں اپنا لے تو ایک بہترین انسان بن سکتا ہے۔ پہلی صفت یہ کہ وہ قناعت پسند ہے جو روکھی سوکھی ملے کھالیتا ہے دوسری صفت یہ ہے کہ جو اسے کھلائے اس کا ممنون احسان رہتا ہے اسے نہیں بھولتا ہے اور اس کے پاؤں سے لپٹ لپٹ کر دُم ہلا ہلا کر عجز و انکساری سے پیش آتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ فخر و غرور تکبر خود پسندی نہیں ہوتی اگر اسے بلاؤ فوراً آجائے گا دھتکارو تو واپس چلا جائے گا پھر بلاؤ تو چلا آئے گا پھر دھتکارو تو چلا جائے گا نیز بار بار دھتکارنے کے باوجود تکبر کا اظہار نہیں کرتا۔ چوتھی صفت مالک سے وفاداری ہے روکھی ملے یا سوکھی ملے وفاداری سے اس کے گھر و مال کی حفاظت کرے گا یہاں تک کہ رات کو آنکھوں پہ کاٹے گا جاگ جاگ کر گھر کی رکھوالی کرے گا۔ اگر انسان ان چند صفات کو اپنا لے تو وہ اپنے مالک کا پسندیدہ بندہ بن سکتا ہے اور بھی اچھی اچھی صفات کتے میں پائی جاتی ہیں جن میں انسان سے بازی لے جاتا ہے کسی کتے نے اپنی نوع کو کبھی جان سے نہیں مارا لیکن انسان اکثر ایسا کرگزرتا ہے۔

اے انسان! اپنی خودی پہچان، تیری عظمت اور شان بہت بلند ہے تو اپنا مقام پہچاننے کی کوشش کر تو ہی تو مسجودِ ملائکہ ہے تو ہی تو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے پھر کیوں اپنے آپ کی عظمت و رفعت بھول گیا ہے۔ اٹھ اوجِ ثریا پہ کمند ڈال اور بلند ہو جا اسفل السافلین سے بچ، بلندی کو اپنا مقدر بنا لے اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پا لے اب اپنی اڑان کو مزید اونچا کر لے۔

آتی ہے مجھے غیب سے آوازِ مسلسل
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

عاشق نہیں اُمتی

(جاوید چوہدری)

ہم جب تک نبی اکرم ﷺ سے اپنی آل، اولاد، مال، دولت اور جان سے زیادہ محبت نہ کریں ہم اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے، یہ دنیا کے ہر مسلمان کا ایمان ہے، ہماری زندگی عشق رسول ﷺ سے شروع ہوتی ہے اور عشق رسول ﷺ پر ختم ہو جاتی ہے۔دنیا کا شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جس کی آنکھیں نبی رسالت مآب ﷺ کے ذکر پر نم نہ ہوں اور جس کا دل ذکر رسول ﷺ پر تڑپتا نہ ہو، میں حضرت اویس قرنیؓ کو اپنا رول ماڈل سمجھتا ہوں جو زندگی بھر نبی اکرم ﷺ کی زیارت نہیں کر سکے لیکن عشق رسول ﷺ میں اس مقام تک چلے گئے انہیں کسی نے بتایا جنگ اُحد میں آپ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہو گیا، حضرت اویسؓ نے اپنے تمام دانت توڑ دیئے اور جن کا عشق انہیں اس مرتبے تک لے گیا کہ آپ ﷺ نے اپنا خرقہ مبارک حضرت اویس قرنیؓ کو عنایت کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا جو شخص انہیں خرقہ دینے جائے وہ ان سے اُمت کی مغفرت کیلئے دُعا کرائے۔ میں عشق رسول ﷺ میں حضرت بلالؓ کی تقلید کا قائل بھی ہوں، آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپؓ کے حلق سے آذان نہیں نکلتی تھی، آپؓ اذان دینے لگتے تھے تو اشھدان مُحَمَّدُ الرسول اللّٰہ پر پہنچ کر آپؓ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب جاتی تھی اور یہ آپؓ کے عشق کی معراج تھی جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی گرفتاری کا فیصلہ کیا تو آپؓ کو پورے عالم اسلام میں حضرت بلالؓ واحد شخصیت دکھائی دیئے جو اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار کو خلیفہ کا حکم بھی پہنچا سکتے تھے سپہ سالار کو گھوڑے سے نیچے اترنے کا حکم دیا، حضرت خالدؓ بن ولید چپ چاپ گھوڑے سے اُتر آئے، حضرت بلالؓ نے انہیں اپنے ہاتھ آگے بڑھانے کا حکم دیا، حضرت خالدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت بلالؓ کے سامنے کر دیئے، آپؓ نے فرمایا" خلیفہ کے حکم سے تم اب مسلمانوں کے سپہ سالار بھی نہیں رہے" اور حضرت خالدؓ بن ولید سمیت دو

لاکھ مجاہدوں کے اس لشکر میں سے کسی کو اس حبشی زادے کے سامنے انکار کی جرأت نہ ہوئی اور حضرت بلالؓ حضرت خالدؓ بن ولید کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے اور میں عشق رسول ﷺ میں اس اسامہ بن زیدؓ کا مقلد ہوں جنہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے لشکر کا سالار بنایا اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ لشکر روانہ کیا تو خلیفہ نے اس غلام زادے کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور مستقبل کے جید سپہ سالار اور خلفاء اس غلام زادے کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور میں عشق رسول ﷺ میں ان عاشقوں کے عشق کا بھی قائل ہوں جو زندگی کی آخری ساعتوں تک پاؤں میں جوتا پہن کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں داخل نہیں ہوئے کہ کہیں ان کا جوتا کسی ایسی جگہ نہ آجائے جہاں کبھی نبی رسالت ﷺ نے قدم مبارک رکھا ہو اور میں عشق میں ان لوگوں کی محبت کو بھی وضو کا درجہ دیتا ہوں جو نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرح داڑھی رکھتے ہیں، جو سنت سمجھ کر روز آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں، جو روز کھاتے ہیں، جو سفید شلوار اور کُرتہ پہنتے ہیں، جو سر میں مہندی لگاتے ہیں اور جو سر پر سفید یا سیاہ پگڑی باندھتے ہیں اور میں عشق رسول ﷺ میں ان لوگوں کو بھی اپنا راہنما سمجھتا ہوں جو لوکی کدو کھا کر زندگی گزارتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو پسند فرمایا تھا۔

مجھے نبی اکرم ﷺ کی ذات پاک سے عشق ہے اور میں اس عشق میں غازی علم الدین شہید کی موت مرنا چاہتا ہوں اور حضرت بلالؓ اور حضرت اویس قرنیؓ کی زندگی کا خواستگار ہوں لیکن اس کے باوجود ایک سوال اکثر میرے ذہن میں اُبھرتا ہے اور رگ و پے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے، میں اکثر سوچتا ہوں، میں عشق رسول ﷺ میں جان دینے اور جان لینے پر تیار ہو جاتا ہوں لیکن میں نے آج تک نبی کریم ﷺ کے کسی فرمان، کسی حکم پر عمل نہیں کیا، میں عاشق ضرور ہوں لیکن میں نبی کریم ﷺ کا سچا اُمتی نہیں ہوں، میں شہ رگ تک آپ ﷺ کے عشق سے بھرا ہوا ہوں، آپ ﷺ کے ذکر پر میری آنکھیں چھلک پڑتی ہیں، میرا دل تڑپ کر سینے کی قید سے آزاد ہونے لگتا ہے لیکن میری زندگی میں نبی اکرم ﷺ کے کسی حکم، کسی قول کی جھلک دکھائی نہیں دیتی،

میں اپنے اقوال سے لے کر افعال تک کسی پہلو سے محبوب خدا کا اُمتی دکھائی نہیں دیتا ،مثلاً میرے رسول ﷺ کی برداشت پر ساتوں آسمان قربان ہوجاتے تھے،آپ ﷺ حرم شریف کے صحن میں نماز ادا کر رہے تھے، کفار آپ پر اونٹوں کی اوجھڑیاں ڈال دیتے تھے، آ پکی سانس اُکھڑنے لگتی تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیاں بے تاب ہوکر گھروں سے نکل پڑتی تھیں ،حرم شریف پہنچتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے اوجھڑیاں اور آنتیں اتارتی جاتی تھیں اور کفار کعبہ کے سائے میں کھڑے ہوکر قہقہے لگاتے جاتے تھے۔آپ ﷺ کو طائف کے لوگوں نے پتھر مارے،خون آپ ﷺ کے سر مبارک سے نکل کر نعلین شریفین میں جم گیا،آپ ﷺ نے درخت کے ساتھ ٹیک لگائی،خادم نے نعلین اتاریں تو آپ ﷺ کی حالت دیکھ کر آنسو ضبط نہ کرسکا،اس وقت فرشتوں کی برداشت بھی جواب دے گئی،حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور عرض کیا آپ اجازت دیں تو میں طائف کی ساری آبادی کو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا ''نہیں شاید ان کی آنے والی نسلیں مسلمان ہوجائیں''۔آپ ﷺ ہر روز اس گلی سے گزرتے تھے اور روز ایک مخصوص وقت پر وہ بوڑھی خاتون گھر بھر کا کوڑا آپ ﷺ کے اوپر گرادیتی تھی مگر آپ کی جبیں نیاز پر کبھی شکن آئی، آپ ﷺ نے کبھی راستہ بدلا اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی اس سلوک پر احتجاج کیا۔میں آج اس ملک کے تمام عاشقان رسول ﷺ کو چیلنج کرتا ہوں، آیئے! گھر سے باہر نکلئے اور زندگی میں صرف دو تین بار اپنے سر پر کوڑا پھینکنے کی اجازت دے دیجئے ، میں دیکھتا ہوں آپ کا صبر کب تک اپنی بنیادوں پر قائم رہتا ہے،سر پر کوڑا برداشت کرنا اور اس کے بعد مسکرانا بھی تو سنت ہے،آپ میں سے کون ہے جو یہ سنت ادا کرنے کیلئے تیار ہے اور آپ نبی کریم ﷺ کی برداشت ملاحظہ کیجئے، فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوا، آپ ﷺ حضرت حمزہؓ کو اپنے سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور حضرت حمزہؓ کی شہادت پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کیا اس پورے مدینہ میں حضرت حمزہؓ کو رونے والا کوئی نہیں اور نبی اکرم ﷺ کے یہ لفظ اہل مدینہ کے دل

میں تیر کی مانند لگے اور پورے شہر کے منہ سے آہیں اُبل پڑیں۔اس کے باوجود حضرت حمزہؓ کا قاتل آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا اور عرض کیا، ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے مجھے بھی معاف فرمادیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں نے تمہیں بھی معاف کردیا لیکن کوشش کرنا تم کبھی میرے سامنے نہ آنا۔'' میں اپنے آپ سے اکثر سوال کرتا ہوں، میرے اندر وہ صبر اور برداشت کیوں نہیں جو نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کا حصہ تھی۔ہم سب نبی اکرم ﷺ کے عاشق ہیں، لیکن آپ ﷺ کے وہ عاشق کہاں ہیں جو برداشت کو سنت سمجھتے تھے، جو بڑے سے بڑے اختلاف کو ہنس کر سہہ جاتے تھے اور جو انسان کو آخری سانس تک اصلاح کا موقع دیتے تھے، ہم اس رسول ﷺ کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جنہوں نے منافقِ اعظم عبداللہ بن اُبَی کا جنازہ بھی پڑھایا تھا، اسے کرتہ مبارک کا کفن بھی عنایت فرمایا اور جو اس کی مغفرت کیلئے دُعا بھی کیا کرتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات کے ان پہلوؤں پر عمل کیوں نہیں کرتے اور جن میں آپ ﷺ مسکراتے دکھائی دیتے ہیں، جن میں آپ ﷺ پودوں سے لیکر اونٹوں تک شفقت کرتے ہیں اور جن میں آپ ﷺ کافروں کو آخری سانس تک اصلاح کی گنجائش بھی دیتے ہیں، یہ درست ہے ہمیں عاشقِ رسول ہونا چاہیے کیونکہ عشقِ رسول ﷺ کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوتا لیکن ہمیں عاشق کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کا اُمتی بھی تو ہونا چاہیے، ہماری زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک قول کی جھلک بھی تو دکھائی دینی چاہیے، ہم اعمال میں دنیا کی بدترین قوم ہیں، ہماری زندگیوں میں خوفِ خدا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی سنتِ رسول ﷺ لیکن اس کے باوجود عشقِ رسول ﷺ کے دعوے بھی کرتے ہیں، ہم سے بڑا ظالم، ہم سے بڑا ستم گر کون ہے؟ ہمارے رسول ﷺ کو اس وقت عاشقوں سے زیادہ امتیوں کی ضرورت ہے اور عالمِ اسلام میں عاشق تو کروڑوں اربوں ہیں لیکن اُمتی کوئی نہیں۔مجھے اکثر محسوس ہوتا ہے ہمارے رسول ﷺ عاشقوں کی بھیڑ میں اُمتی تلاش کرتے ہوں گے، کاش! ہم اپنے رسول کو چند اُمتی فراہم کردیں، ہم آج سے دوسروں کو برداشت کرنا شروع کردیں، ہم مسکرانا شروع کردیں، کاش! ایسا ہو جائے۔

حقیقت

(عبدالرشید ساہی)

دنیاوی مال ومتاع نیا ٹُلا ہو یا وسیع وعریض یہ ہماری حقیقی ملکیت کبھی نہیں ہوتا، یہ صرف عنایت باری تعالیٰ ہے۔ یہ حقیقی ملکیت اسی ذات کبریا کی ہے اور رہے گی۔ وہی یا حیّ یا قیوم ہے باقی تمام کائناتیں اور جہان ایک روز فنا ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ساتوں آسمان لپیٹ کر ایک ہاتھ میں پکڑیں گے اور ساتوں زمین لپیٹ کر دوسرے ہاتھ میں اور آواز آئے گی صرف میں اکیلا بادشاہ ہوں(I am the King) ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کبھی فراوانیاں عطا کر کے اور کبھی تنگی اور ترشی دے کر آزماتے ہیں کہ ہم ان پیش آئندہ حالات میں انکے احکام کا، ان کی عطا کردہ ہدایت کے مطابق چلتے ہیں یا نہیں۔ ہم فراغت پا کر سرکش وظالم بن جاتے ہیں یا عسرت وافلاس کا سامنا کر کے مایوس اور شکایت کنندہ بن جاتے ہیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ہے یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

جولوگ اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں وہ اس حقیقت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں کہ یہ زمین یہ وسعتِ افلاک وہ خود، ان کے ماں باپ، بہن بھائی اور اولاد سب ربّ العالمین کی ملکیت ہیں، انسان بھیجے گئے ہیں اس دنیا میں صرف ایک عارضی مدت کے لئے صرف اور صرف اس لئے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان کر اس کے خوبصورت ترین محبوب کریم ﷺ کو صادق القول مان کر اپنی مکمل اور اصل شکل میں محفوظ کتاب الٰہی اُم الکتاب (قرآن کریم) کے مطابق اپنے زندگی میں عمل کرتے ہیں یا پھر انکار و سرکشی کر کے شیطان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، دنیا میں آنے کا یہی مقصد ہے شاعر کہتا ہے۔

ہے زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی، شرمندگی

ربِّ کریم کاارشادِگرامی ہے(1) ''اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

(2) ''اور میں نے جنوں انسانوں کوصرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے''۔

(3) ''اور جان لو! بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولادبڑی آزمائش ہے''۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے،تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی ،اگر دفتر میں ہے

مقصد صاف ظاہر ہے، یہی ہے ہماری یہاں موجودگی کی وجہ ''بس نہ زیادہ نہ کم'' کون عہد نبھاتا ہےاورکون سرکش ونافرمان بنتا ہے۔اپنی کسی مرضی، کسی خواہش یا کسی اختیار کے بغیر ہی ہم اس دنیا میں آگئے اور نہ ہی یہاں سے ہم نے اپنی مرضی سے جانا ہے۔تو پھر کیوں ہم اپنے مقصد حیات کوفراموش کر بیٹھے ہیں! ہماری تخلیق اس لئے نہیں ہوئی کہ ہم شتر بے مہار کی طرح اپنی مرضی سے زندگی گزاریں بلکہ اللہ تعالٰی نے ہمارے لئے باقاعدہ قرآن حکیم کی صورت میں ایک آئین ضابطہ حیات اور Book of Law عطا فرمائی ہے کہ ہم اس قانون وضابطوں کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں۔

''بے وقوف کہلائے گاوہ مسافر جو اپنی منزل کوبھول کر سفر کے دوران پیش آنے والے مناظر میں کھوجائے''۔ ہماری منزل ہماری مرضی کے بغیر بحالت مجبوری(اور ہمیشہ زندہ رہنے کی چاہت کے باوجود)صرف ایک ہے کہ ہمیں ایک دن جوکہ مقرر ہے یہ عارضی میلہ چھوڑ کر اپنے حقیقی مالک وخالق کے حضور پیش ہونا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اس روز ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور ہر برائی پیش ہوگی ہر انسان کو وہاں اپنے کیئے کا حساب دینا پڑے گا ہمیں یہ بات اچھی لگے یا نہ لگے۔اگر ہمیں شعور کی دولت عطا ہوئی ہے تو ہمیں علم ہو جانا چاہیے اس شعور

اور عقل کو استعمال کرتے ہوئے بغیر کسی زور زبردستی کے اپنے خالق کو پہچان کر ماننا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر اپنے خالق کو ماننا ہوگا اُسکے طریقہ کار سمجھ کر اس کے نبی ﷺ برحق پر ایمان لا کر ان کے عطا کردہ لائحہ عمل کو سمجھ کر اللہ کی کتاب ہدایت کے مطابق اور نبی رحمت ﷺ کی ذات کو نمونہ بنا کر اپنے سفر حیات کو طے کرنا ہوگا۔

خدارا حقیقت آشنا اور عقلمند بنئے اگر آپ خود کو ایمان لانے والا مسلمان سمجھتے ہیں تو پھر احکام خداوندی کو اپنی سوچ، اپنی فکر اور اپنے کردار پر لازم ٹھہرایئے اور اس کے مطابق ہی آپ کی زندگی بسر ہونی چاہیے قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ ''دنیا کی زندگی محض لہو ولعب اور دھوکہ ہے''

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند　　بتان وہم و گماں لا الٰہ الّا اللہ

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا　　فریب سود و زیاں لا الٰہ الّا اللہ

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اردگرد بہت سے نیکوکار لوگ سسک سسک کر زندگی گزار رہے ہیں اور بدطینت، مکار اور فریبی لوگ گل چھڑے اڑا رہے ہیں تو نیکوکاروں کیلئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی بھلائی ہوگی۔

''آپ یہاں اس لئے بھیجے گئے کہ اللہ کریم دیکھیں اور آزمائیں آپ کو کون احسن اعمال کرتا ہے''۔ یہ ہے بنیادی مقصد تخلیق کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و غلامی، اپنی خواہش اور ارادے سے کسی جبر و اکراہ کے بغیر کی جائے اس کو ذہن میں رکھیں گے تو آپ جان جائیں گے کہ بس یہی ایک بنیادی ٹیڑھ ہے کہ انسان کی ساری خواہشیں اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ انسان اندھا دھند دنیا کو حاصل کرنے کے لئے بھاگ رہا ہے۔ حالانکہ انسانی سکون صرف اللہ کی یاد میں ہے اور ساری کی ساری عزت اللہ تعالیٰ اس کے محبوب اور مومنین کے لئے ہے۔ ایک مرتبہ پیرومرشد محمد صدیق ڈار صاحب نے فرمایا ''ساہی صاحب! ''انسان جس زور سے دنیا کو پکڑنے

کے لئے بھاگتا ہے دنیا اس سے دوگنی رفتار سے آگے آگے بھاگتی ہے لیکن جو بے نیازی میں رہتا ہے اور دنیا کو اللہ کی محبت کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتا تو دنیا اس کے دروازے کی چوکھٹ پر لونڈی بن کر پڑی رہتی ہے''۔ میں نے خود پہلے بھی کئی مرتبہ یہ تجربہ کیا جو کہ 100% سے زیادہ سچ نکلا اس مرتبہ 14,13 فروری 2015 بیٹی اور بیٹے کی شادیاں تھیں بظاہر کوئی وسائل نظر نہیں آتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی کرم نوازی ہوئی کہ ایسے پروٹوکول سے شادیاں ہوئی ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا ایسے اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے کہ میرے تصور میں بھی نہیں تھے۔

ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیئے اگر حصول زر اور اعلیٰ بنگلے ہی زندگی میں کامیابی کی نشانی ہوتے تو حضور اکرم ﷺ کا محل عرب وعجم میں شاہکار ہوتا۔ اگر قیمتی لباس ہی عزت ووقار کا ضامن ہوتا تو نبی کریم ﷺ کا لباس دنیا کے مہنگے ترین کپڑے سے بنا ہوتا۔ اگر زیورات، سونا چاندی، اور جواہرات کا حصول ہی کامیابی ہوتا تو ازواج مطہرات کے پاس قیمتی ترین اور مہنگے ترین زیورات ہوتے۔ تو پھر ہمارا یہ کامیابی کا معیار کہاں سے آیا ہے۔

اسلام میں ساری کی ساری عزت تقویٰ میں ہے اور معاشرہ میں وقار کی نشانی بے داغ کردار ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے (Selected) انسان تھے اعلیٰ خاندانوں سے تھے اعلیٰ ترین کردار کے مالک تھے ان سب سے آخر میں رحمت للعالمین ﷺ تشریف لائے جنھوں نے 40 سال معاشرہ میں اپنے کردار کو منوایا یہاں تک کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ ﷺ کے کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے الٹ جاتے ہیں آفاق

موجودہ دور میں کامیابی اور عظمت کا معیار جو ہم نے تعین کرلیا ہے، یہ محض دھوکہ اور

فریب ہے۔ یہ معیار ہمیں فخر جتلانے کی خواہش نے عطا کیا ہے، یہ فخر اور غرور کے جذبات کا تحفہ ہے، فخر و غرور اور اپنی انا کے تحت ذاتی برتری کی خواہش یہ شیطان کا پسندیدہ ترین گناہ ہے۔ اگر آپ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ کو اپنی خواہشات، اپنے ارادوں اور اپنی کامیابی، ناکامی کے معیار کو اللہ کے احکام اور معیار کے تابع کرنا ہوگا اور اتباع رسول ہاشمی ﷺ کو اپنانا ہوگا اگر ایسا نہیں ہوگا تو دعویٰ ایمان دھوکہ قرار پائے گا۔

محمد ﷺ کی غلامی دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اگر ہو اس میں کچھ خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید جو کہ ہمارے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ اسمیں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ مسلمان کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے"۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس قانون کی کتاب قرآن مجید کو ہماری قوم محض حصول ثواب اور ایصال ثواب کے لئے پڑھتی ہے حالانکہ یہ کتاب ایسے اصولوں کا مرکب ہے کہ جس پر عمل کر کے کامیاب ترین زندگی بسر کی جا سکتی ہے اور آخرت میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کیا جا سکتا ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر　　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

پیارے دوستو! خالق قرآن، صاحب قرآن اور علم قرآن کی محبت، انسان کو وقار، کامیابی اور عظمت عطا کرتی ہے اور انسان دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سرفراز ہو جاتا ہے زمانہ ایسے انسانوں کے مزاروں پر ہی دیئے جلاتا ہے ایسے انسان کی قبریں زندہ ہوتی ہیں۔

ربّ اور انسان

(چوہدری محمد حسین۔ چیچہ وطنی)

اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی اسماء ہیں یعنی اسماء الحسنہ اور ''ربّ'' اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ مخلوق کی نشو نما کر کے اسکی غائیت تک پہنچانا۔ اللہ کے لفظ کا معنی معبود کیا جاتا ہے اور اس لفظ کا ایک معنی حیران کرنے والا بھی ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر جتنا جتنا غور کیا جائے حیرانی کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا۔ بعض صوفیاء جو علمی کمال حاصل کر کے نقطۂ عروج پر متمکن ہوئے ہیں اس مقام کو مقام حیرت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر انہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ انہیں پہلے مقامات پر معلوم ہوا تھا وہ محض ظن تھا اصل علم حقیقی کے دروازے پر تو اب پہنچے ہیں۔ لیکن اندر داخل نہیں ہوئے کیونکہ اندر کے حالات و واردات اس سے عجیب تر ہونگے۔

ساری کائنات دو وجودوں پر مشتمل ہے۔ یعنی واجب الوجود اور ممکن الوجود۔ آسان لفظوں میں خالق اور مخلوق۔ اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ خالق کوئی (احسن الخالقین) نہیں اور انسان سے اعلیٰ کوئی مخلوق نہیں۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم O

کائنات میں جتنے بھی عوالم ہیں سارے کے سارے انسان کے خدمت گزار ہیں حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

بات دو قسم کی ہوتی ہے۔ بامعنی اور بے معنی۔ (لغویات لایعنی فضولیات) وغیرہ۔ اصل بات (قولاً سدید) وہی ہے جو پکی ہو ستھری اور بامعنی ہو۔ جس بات کے جاننے سے دل میں رقت سوز، حلاوت رنگینی و تابانی، پاک جذبات اور خلق خدا کی فلاح و بہبود کی امنگ پیدا نہ ہو

وہ بات بے کار اور مہمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حکیم و دانا ہے۔ اصلاح و فلاح انسانیت کے لیے مطلوب حکمت پر مبنی سب باتیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک نبیوںؑ اور رسولوں کی وساطت سے اجمالاً و تصریحاً نازل فرمادیں۔ قرآن مجید فرقان حمید میں سارے کا سارا مطلوبہ علم جمع فرمادیا اور دین مکمل فرما دیا اور نبی پاک ﷺ کو بھی مخاطب کر کے فرمایا کہ:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم اسلام دین۔

قرآن پاک کا موضوع ہی انسان ہے۔ اب اسکے بعد کوئی انسان کتنا ہی عظیم انسان ہو اور صاحب کمال ہو، بڑا مقام رکھتا ہو اپنی طرف سے کوئی اصلاح و فلاح آدمیت کی بات نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو قرآن و سنت کے تحت ہوگا ورنہ بدعت ہوگی۔ آئمہ، فقہی، مفسرین قرآن و حدیث، صوفیاء عظام جیسا کہ امام غزالیؒ، داتا صاحب لاہوری، شیخ عبدالقادر بغدادی، مولانا رومؒ، شیخ اکبر ابن عربیؒ امام محدث دہلویؒ، رازیؒ، ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، پیر مہر علی شاہؒ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ علامہ محمد اقبالؒ اور دیگر نے، بڑی بڑی معرکتہ الآرا کتب لکھی ہیں جو سب کی سب قرآن و حدیث کے تتبع ہیں۔ یہ تصانیف نہیں تالیفات ہیں۔ مضمون ہذا قرآن و سنت کے بعد اپنی سلف صالحین کی کتب کی خوشہ چینی ہوگی اور بطور یاد دہانی ہوگی کیونکہ اب ابلاغ عامہ کی بہتات اور سرعت کی وجہ سے خاص و عام پہلے کی نسبت زیادہ معلومات رکھتے ہیں کمی صرف عمل کی ہے۔

موجودات جس قدر بھی ہیں وہ دو ہی قسم کی ہیں ایک وہ شے جسکا وجود اپنی ہی ذات سے وابستہ ہے وہ بـــذاتـــہ موجود ہے، وہ کسی موجد کا محتاج نہیں اسے واجب الوجود کہتے ہیں جو صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ مالک ہے، یکتا ہے، ازل سے ہے۔ نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہا، (نہ حد اسکے پیچھے نہ حد سامنے) زندہ ہے اور ماسوا کو زندگی دینے والا ہے۔ نہ اسکی کوئی ضد ہے نہ مد مقابل نہ وہ کسی کا مماثل ہے نہ اسکا کوئی مماثل ہے۔ اللہ کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں اپنے وجود میں سب اس کی محتاج ہیں انہیں ممکن الوجود کہتے ہیں پس عالم میں

دو ہی چیزیں ہیں ۔واجب الوجوداور ممکن الوجود ۔یعنی خالق اور مخلوق ، مالک و مملوک ۔
اللہ تعالیٰ جب اکیلا تھا تو علم کس چیز کا رکھتا تھا،معلوم ہوا کہ تمام عالم جزیات کے ساتھ خارج میں معدوم تھا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا۔یعنی تخلیق کائنات سے پہلے اللہ تعالیٰ ظاہر و ہویدا تھا اور ساری کائنات پردہ میں یعنی علم وارادہ خداوندی میں مستور تھی ۔اب اللہ تعالیٰ بندوں کی نظر سے اوجھل ہے اور ساری کائنات ظاہر ہے۔لہٰذا تخلیق کے لحاظ سے دو وجود ہوئے ایک خالق، دوسرا مخلوق اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی دو ہی وجود ہیں ۔

بغیر مثال کے ایک خالق ہونے میں اکبر یعنی اللہ تعالیٰ اور دوسرا مخلوق ہونے میں اکبر یعنی انسان ۔ربّ کائنات نباتات کی نوع میں سے آم کے بوٹے کی نشو نما کرکے اسے پھل دینے اور اپنی بقاء کو قائم رکھنے کے لیے بیج بنانے کے قابل بنانا اور اسی طرح حیوانات میں سے انسان کی نشو نما کرکے آخری منزل معرفت الٰہی اور لقائے ربّ کے قابل بنانا ، یہ ربوبیت کا عمل ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تخلیق میں ہوتا ہے ۔یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا خاصہ ہے ۔بندہ جتنا ہی صاحب کمال اور مظہر اسماء وصفات ہو اس میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت کے تحت مدد ومعاون (رب کے نہیں نظام کا)ضرور ہو سکتا ہے ۔ جس طرح اور طاقتیں مثلاً فرشتے نظام عالم کو چلانے میں کارکن کی حیثیت سے روبہ عمل ہیں ۔

انسان نے اپنی ذہنی سطح کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعریف کی ہے ۔بعضوں کے نزدیک عالم اللہ تعالیٰ کا فیضان ہے جو ہو رہا ہے اور بس ۔کچھ کہتے ہیں کہ صرف ایک مادہ ہے عالم یا کائنات اس کے کرشمات ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام کائنات کے مجموعے کا نام اللہ ہے ۔جس طرح انسان (آدم)اعضاء یعنی ہاتھ، پاؤں ناک ،سر ،دل ،دماغ ،ٹانگوں اور بازوں وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تمام کائنات کے مجموعے کا نام ہے ۔کچھ کا خیال ہے کہ ہر شے سے الگ ہے ۔عرش پر بیٹھ کر عالم کا تماشہ دیکھتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے لیے تمام اعضاء وعوارض بشری تسلیم کرتے ہیں ۔(اللہ تعالیٰ کی ماہیت اور تقدیر جیسے مسئلوں میں الجھ کر مسلم امہ میں بھی

بہت سارے فرقے بن گئے ہیں ۔ان میں بہت سے معدوم ہو چکے ہیں ۔موجودہ فرقے کوسخت ہیں مگر انکا معاملہ زیادہ تر لفظی نزاع اور کچھ عقل کے فقدان کی وجہ سے ہے ۔اخلاص پیدا ہو جائے تو امت واحدہ بننے میں دیر نہیں لگے گی اور یہ انشاء اللہ ہوگا کیونکہ امت کی بقا اسی میں ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

تیری امت کی بھی ہو دور فرقہ بندی
تفرقے سارے زمانے کے مٹانے والے

اس الجھن کو سلجھانے کے لیے ہر ایک نے بقدر ہمت کوشش کی مگر اسکی معرفت میں حیرت کے سوا کچھ پلے نہ پڑا۔

واحدت الوجود کے قائل لوگوں کے مطابق کائنات میں وجود ایک ہی ہے جو کہ واجب الوجود ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے باقی کسی کی نظر میں کائنات کا وجود صرف اعتباری ہے یا صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس ہے ۔جب کچھ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ تھا ۔جب کچھ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہوگا۔ مگر الجھن یہ ہے کہ پھر ''کن'' کا مخاطب کون تھا ۔وغیرہ وغیرہ ۔سادہ عوام تو حیرت میں ہوگی بلکہ بڑے بڑے عارف بھی حیران ہوتے ہیں ۔حیرانی کی بات ہے ہی کہ گلاب کے پھول کی خوشبو اور چنبیلی کے پھول کی خوشبو میں فرق لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا تو اللہ تعالیٰ جو کہ بے مثال ہے اسکی ماہیت کیسے بیان کی جا سکتی ہے ۔یہ صرف مشاہدہ کی بات ہے ۔لہٰذا حیرت ہی حیرت ہوتی ہے اسکے بعد اگر مشاہدہ حق ہو تو اس وقت حقیقی علم کی ابتداء ہوتی ہے جس کی انتہا نہیں ۔ ۔بشر کی ہر طاقت چونکہ اسکی استعداد کے مطابق ہے ۔اس لیے ہر فرد کا مشاہدہ لازم ہے کہ اسکی استعداد کے مطابق ہو اور ایسا ہی ہوتا ہے ۔کہ ہر برگ کا رنگ جدا جدا ہوتا ہے ۔مگر حقیقت ایک ہی ہوتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات لامتناہی ہیں ان کا احاطہ محال ہے جیسا کہ فرمایا:

(ولا یوحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء) اس لیےاس پر اکتفا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو حضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں بیان کر سکتا اور حضرت محمد ﷺ کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جس طرح خالق و مالک ہونے میں اللہ کا کوئی ہمسر نہیں اسی طرح مخلوق و مملوک ہونے میں انسان کا ہمسر بھی کوئی نہیں ۔کائنات میں بہت سے عوالم ہیں ۔اٹھارہ ہزار عوالم تو زبان زدِ عام ہیں مگر ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہوں مگر ان سب عوالم میں (جتنے بھی ہیں) عالم حیوانات اور عالم حیوانات میں سب سے افضل بنی نوع انسان ہے جو کہ قرآن کے مطابق ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ''۔جب ابھی سائنسی علوم حیاتیات (بیالوجی اور زوالوجی) وغیرہ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی تو اس وقت کے اسلامی مشاہیر و محققین احمد بن علی نظامی سمر قندی، الشیخ اکبر ابن عربی، البیرونی اور دیگر نے مختصراً تخلیق کائنات پر قرآن و سنت کے تتبع میں روشنی ڈالی تھی ۔یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تنہا ہی تھا اور کوئی شے ظاہر نہ تھی ۔کب سے تھا کوئی نہیں جانتا ۔اللہ تعالیٰ کو محبت ہوئی ، چاہت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں یعنی مجھے کوئی چاہنے والا ہو (اشد حب للہ)تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کو پیدا فرمایا ۔شیخ اکبر (ابن عربی) کے مطابق گو اللہ تعالیٰ پہلے اکیلا تھا کسی شے کا ظاہر میں وجود نہ تھا مگر اللہ چونکہ علم رکھتا اور علم معلوم کے تحت ہوتا ہے یعنی علم کسی شے کا رکھتا تھا وہ شے کیا تھی؟ وہ کائنات کا ذرہ ذرہ تھا ۔اللہ تعالیٰ تمام موجودات کے ہر ہر فرد کا علم رکھتا تھا ۔ہر نوع ، پانی کے ذرات کی طرح ایک بسیط سمندر کی مانند تھی جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو سب سے پہلے نبی پاک ﷺ کے نقطہ (ایٹم پر تجلی فرمائی جس سے آپ کا وجود (لامکاں میں) نمودار ہوا ۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز کو پیدا فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی ﷺ کے نور کو اپنے نور کے فیض سے پیدا فرمایا پھر

وہ نورقدرت الٰہی سے جہاں اللہ کو منظور ہوا جب تک منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ فرش تھا نہ کرسی تھی، نہ دوزخ، جنت تھے، نہ جن نہ انسان صرف اللہ ہی اللہ تھا۔جب میرا نور پیدا کیا جا چکا تھا تو اس نور سے قلم، لوح محفوظ، عرش، کرسی، آسمانی و زمینی مخلوق اور دیگر موجودات کو پیدا فرمایا۔اسطرح حضور اقدس سے باقاعدہ طور پر تخلیق کائنات کا آغاز ہوگیا۔حضورﷺ کا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے براہ راست فیضان سے پیدا ہوا اور باقی تمام موجودات کا اعلیٰ ہوں یا اسفل زمینی ہوں یا آسمانی لطیف ہوں یا کثیف نبیﷺ کے نور کی وساطت سے پیدا فرمایا ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ براہ راست پیدا فرمانے کی قدرت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ پہلے سے تیارشدہ پروگرام کے تحت تمام مخلوقات میں محمدﷺ کی ذات اقدس کی شان کو دوبالا کرنے کی خاطر کیا۔

نبی پاکﷺ کی تخلیق کے بعد باقی مخلوقات وموجودات مرحلہ وار الٰہی منصوبہ جات کے تحت نمودار ہوتی رہیں اور ترقی کرتی ہوئی اپنی غائیت کی طرف روانہ رہیں ۔قدرت نے پتہ نہیں کتنے کروڑوں بلکہ اربوں سالوں کے بعد زمین کے گولے کو چلتے ہوئے سورج کی حرکت کے دائرے سے خارج کیا پھر کروڑوں برسوں میں اسے ٹھنڈا کیا سورج کے مقابل رہ کر زمین کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہا زمین خالی ہوتی رہی یہاں تک کہ سورج کی تپش سے پانی خشک ہوگیا قدرت کاملہ کے منصوبہ کے تحت 1/4 حصہ خشک ہوگیا جسے ربعہ مکشوف کہتے ہین چونکہ اس پر حیوانات کا مسکن بھی ہے اس لیے اسے ربعہ مسکون بھی کہتے ہیں۔

زمین کے اس حصہ پر مٹی کی ابتداء ہوئی یہ ابتدائی مٹی یعنی ریت پیداوار کے لحاظ سے نقص مٹی ہے اس میں روئیدگی نہیں ہوتی پھر قدرت الٰہی کی صفت ربوبیت کے تحت یہ ناقص مٹی ترقی کرتی رہی اور زرخیز مٹی میں تبدیل ہوتی رہی، مٹی کی غائیت ہے کہ اس میں روئیدگی ہو، ترقی یافتہ، آخری مٹی ،مونگا مٹی کہلاتی ہے جس میں بڑھ جانے کی کچھ خاصیت ہوتی ہے ۔کہتے ہیں کہ مونگا مٹی کو اگر کسی برتن میں آدھے حصے تک بھر کر بند کر کے رکھ دیا جائے تو کچھ دنوں کے بعد وہ

برتن مٹی سے بھر جائے گا یہ بڑھنے کی خاصیت نباتات میں ہوتی ہے۔جب اس نقطہ تک جمادات پہنچی تو خداوند عالم کی حکمت کاملہ ملتمس ہوئی کہ تمام عوالم ایک دوسرے سے پیوستہ رہیں۔

تو عالم جمادات میں پہلی چیز جو ریت تھی ترقی کرتی کرتی بلند ترین مرتبہ پر پہنچی اور مونگا و مرجان بن گئی۔عالم جمادات کا آخری درجہ ہے اور عالم نباتات کے اول سے ملا ہوا ہے۔عالم نباتات میں سب سے پہلا درجہ کانٹے کا ہے اور حکماء کے نزدیک سب سے پہلا پودا جو نمودار ہوا وہ بھی محض کانٹے دار جھاڑی تھی جسے غالباً ببول کہتے ہیں۔پھر اس عالم نباتات کی اس طرح ربوبیت ہوئی کہ بڑے بڑے خوبصورت اور قسم قسم کے پھلدار پھولدار درخت پیدا ہوئے۔گیارہویں بارہویں صدی عیسوی کی تحقیقات کی رو سے نباتات میں سب سے افضل انگور اور کھجور ہے جنہوں نے عالم حیوانات سے مشابہت پیدا کی کہتے ہیں کہ عرب میں کھجور کی ایک قسم ہے جس پر ایک خاص قسم کے نر کھجور کے پودے کا بور نہ چھینکا جائے تو وہ پھل نہیں دیتی،(نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ جسمیں لوگوں کا کسی خاص علاقے کی غالباً نر کھجوروں کا بور اپنے باغ کی کھجوروں پر زیادہ پھل لینے کی خاطر ڈالنے کا ذکر ہے۔)یہ اس بات کی تصدیق ہے کہ ایسا ہوتا تھا۔انگور کی بیل کے متعلق مشہور ہے کہ اگر آکاش بیل اس کے نیچے اُگ آئے تو اسے دشمن سمجھ کر انگور کی بیل وہ رستہ چھوڑ دیتی ہے۔یہ دونوں خاصیتیں حیوانوں میں پائی جاتی ہیں اس لیے کھجور اور انگور کا کو اشرف نباتات کہتے تھے۔آج افریقہ کے جنگلات میں بڑی عجیب عجیب خصلتوں اور خصوصیات کے مالک درخت موجود ہیں جو اپنی غذائیت کے لیے کیڑے مکوڑوں اور انسانوں کا شکار کرتے ہیں۔

اپنے سے اگلے عالم یعنی عالم حیوانات کی جانب اشرف ترقی کی اور عالم علوی کا اثر عالم سفلی پر پڑا، تو ایک لطیف فرزند پیدا ہوا۔اور عالم حیوانات کا ظہور ہوا۔اس عالم کے افراد میں دو قوتوں کا اضافہ ہوا۔ایک قوت مدرکہ اور دوسری قوت محرکہ۔حیوانات میں پہلا درجہ کیچوے کا ہے جو بارش کے دنوں میں مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور جلد ہی مر جاتا ہے۔سانپ کے بچے کی طرح رینگتا ہے

اسکی افادیت سے انکار نہیں مگر اس عالم کی برابر ترقی ہوتی رہی بڑے بڑے خوبصورت اور مفید جانور، چرند پرند پیدا ہوئے سب حیوانات میں سب پہلے بن مانس ہے۔ راست قامت ہے دو پاؤں پر بھی چلتا ہے، چوڑے ناخن رکھتا ہے۔ سر کے بال بھی انسان کے بالوں کی مانند ہیں۔ چڑیا گھر میں اس حیوان کے کچھ نمونے ملتے ہیں جو مردوں اور عورتوں سے بہت پیار کرتے ہیں اس حیوان کو بن مانس کہتے ہیں جو انسان سے ملتا جلتا ہے۔ اس لیے یہی اشرف الحیوانات ہے۔ ایک عرصہ بعد لطف مزاج زیادہ ہوا، خلاق اعظم (احسن الخالقین) نے اپنی ربوبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا میں متنوع قسم کے حیوانی زندگی کے ساتھ جناتی زندگی کو مکمل فرمالیا۔ مختلف عناصر کے وجود کا خاص مختلف مناسبتوں سے ملا کر حسین وجمیل کائنات کی یہ محفل آراستہ فرمائی۔

اب جس کے استقبال، مہمانداری کے لیے اور خدمت گزاری کے لیے یہ ساری کائنات سجائی گئی، سیاروں، ستاروں کو خاص راستوں پر چلایا، گرمی، سردی، بارش، بہار کے موسم بنائے۔ غذا اور دوسری ضروریات زندگی کے لیے طرح طرح کے اناج سبزیاں اور پھل بنائے یہ انسان تھا یہ سب کچھ انسان کے لیے بنایا گیا تھا۔ "اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے تمہارے تابع کر دیا ہے"۔ القرآن

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں (بنی نوع انسان تمہارے لیے بنائیں"

وسیع وعریض اور جامع نظامِ کائنات کا ایک ایک وجود صرف اور صرف انسان کے لیے بنایا گیا ہے جیسا کہ علامہ نے فرمایا:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیئے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

جب یہ بزم مکمل طور پر سج گئی۔ خدام، ہشام قطار در قطار سر جھکائے مگر شاداں وفرحاں اپنے آقا و بادشاہ کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہوئے تو قدرت کا پروگرام منظر پر آیا کہ

حضرت انسان کا ظہور ہو تا کہ کائنات ارضی کی زندگی درجہ کمال کو پہنچ جائے یہ تخلیق کا آخری درجہ ہے اور صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی صناعی اور خلاقیت کا مظہر اتم اور شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ بحر و بر کا حکمران اور بادشاہ بھی ہے اور کل کائنات ارضی وسماوی، انفس و آفاق کا ایک راز بھی ہے، جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

انسان پیدا ہوا اور اپنے ساتھ جماداتی، نباتاتی، حیواناتی خصوصیات وصفات لایا اور قوت تمیز کی استعداد کا اس پر اضافہ ہوا۔ سابقہ مذکورہ عوالم سے فائدہ حاصل کر کے ہر شے بحر و بر کا بادشاہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے تکوینی، خلاقی، حیاتیاتی اور حرکی قوانین کی ٹوہ لگا کر ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں'' ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور زور وشور سے سفر جاری ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی تقدیریں

انسان کو عالم حیوان کا ترقی یافتہ اعلیٰ گروہ کہا جاتا ہے اور حیوان ناطق بھی کہتے ہیں جو کہ میرے اعتبار سے پچھلی بحث کے زیر اثر غلط ہے۔ سابقہ بحث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام عوالم ایک دوسرے سے متصل ہیں ایک کا آخری طبقہ دوسرے کے ابتدائی طبقے کے ساتھ کسی حد تک منسلک ہے یعنی جمادات کا اعلیٰ طبقہ مونگا مٹی ریت سے ترقی کر کے مونگا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توجہ اور فیض سے اس مٹی میں مذکورہ خاصیت پیدا ہوئی اور ریت کی جنس سے اسکی جنس علیحدہ ہے۔ اسی طرح پہلی نباتات کانٹا مونگا، مٹی کی ترقی یافتہ جنس نہیں بلکہ اسے ایک علیحدہ جنس ہی کہا جائے گا انگور، کھجور، کو طبقہ نباتات سے ہیں مگر الگ الگ جنسیات ہیں۔ اسی پر بن مانس کے بعد افرینش آدم کو قیاس کرنا چاہیے نہ کہ ڈارون کے فلسفہ کے مطابق بندر سے بن مانس، بن مانس سے انسان یہ بالکل غلط نظریہ ہے۔

موجودہ نظریہ و تحقیق کے مطابق انسان کا ابتدائی جرثومہ ہی سب حیوانات سے علیحدہ ہے

بہر حال حیات کائنات مسلسل معرضِ ارتقاء ہے اور انسان کی پیدائش اور اسکا ارتقاء (Evolution) بالکل مختلف ہے۔ ہر عالم کا پہلا فرد، ریت، بچھوا اور کانٹا معمولی نوعیت کا تھا مگر پہلا انسان سب انسانوں سے عظیم تھا۔ ابتدائی آفرینش جو عالم بالا میں ہوئی، اس میں پہلا انسان سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور دوسری پیدائش آفرینش آدم کے وقت سب سے پہلا آدمی حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ سب انسانوں کے باپ تھے اور سب سے اعلیٰ تھے۔

بعد ازاں انسان کو سب سے نچلے اسفل سافلین کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ یعنی ہجرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اور اولاد آدم کو برائی کے گڑھے میں پھینک دیا۔ یعنی انسان کو ہر طرح سے بہترین واحسن خلقت بنا کر ضلالت کے گڑھوں میں پھینک دیا گیا۔ انسان نے نبیوں سے بغاوت، آپس میں قتل و غارت، جنگلوں اور غاروں میں رہائش اختیار کی۔ نیکی بدی اور حلال وحرام کی تمیز ختم ہوگئی، جانوروں کی سی زندگی گزارنے لگے۔ اللہ نے ہدایت کا راستہ کھلا رکھا، نبی اور رسول آتے رہے اور لوگ ہدایت پاتے رہے۔ بہت سی امتیں راہ راست پر آئیں اور پھر گمراہ ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کی ۶۳ سالہ زندگی میں ایک نمونے کا معاشرہ معرض وجود میں آیا۔ جسکی پہلے کوئی مثال نہ تھی نہ آئندہ ہوگی۔ گویا کہ انسان کا بحیثیت مجموعی یہ اشرف المخلوقات کا اشرف ترین معاشرہ تھا اور یہی غائیت ربّ کی ربوبیت کی تھی۔ اس زمانے نے اعلیٰ ترین افراد کو جنم دیا وہ بھی ربوبیت کی اعلیٰ ترین مثال تھے۔ کائنات نے انبیاء کے بعد ان جیسا انسان نہیں دیکھا اور نہ آئندہ کوئی پیدا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، اور دیگر صحابہ اس معاشرے کے اعلیٰ ترین افراد تھے جن کی کوئی مثال نہیں۔ متذکرہ ارتقاء انسانی کا نظریہ (evolution theory) وہ نہیں جو ڈارون نے پیش کیا تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نوع کے ابتدائی فرد نے ترقی کرتے کرتے موجودہ ترقی یافتہ صورت اختیار کی ہے۔ جیسے عالم حیوانات، بچھوے سے ترقی کر کے بندر اور بن

مانس کی شکل اختیار کر لی اور زمانے گزرنے کے بعد بندر کا ترقی یافتہ ماڈل ڈارون ہے۔اگر یہ بات مان لی جائے تو پچھلی نوع ختم ہو جانی چاہیے تھی۔ایسا نہیں ہے۔بات دراصل یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کرنا چاہا تو کُن کہا اسکے جواب میں فیکون کہہ کر ہر شے معرض وجود میں آ گئی اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت سکیم اور منصوبے کے مطابق عناصر کا مختلف نسبتوں سے ملاپ ہونے کی صورت میں مختلف اشیاء ظہور پذیر ہوتی رہیں۔یہ ملاپ ارتقائی صورت میں ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔نتیجتاً انواع و اقسام کی اشیاء وجود میں آ رہی ہیں۔مگر پہلے عالم کا دوسرے عالم سے تعلق بنتا رہا۔جیسا کہ مذکورہ بحث فرق بھی ظاہر ہے

ریت کا مونگا سے تعلق ہے،مونگا کا کانٹے سے،کانٹے کا کھجور اور انگور سے،بندر اور بن مانس سے،فضاء میں وہ تناسب جس میں بن مانس پروان چڑھا اس فضا کا اس فضا سے تعلق ہے۔ جس فضاء میں انسان کی ابتداء ہوئی اور انسان کی ترقی یافتہ صورت نبی اور رسول ﷺ کی ہے۔

بہ صلاح کار کجا من خراب کجا، ببین تفاوت راہ از کجا است تا کجا

انسان کو سب سے اچھا بنا کر سب سے نچلے گڑھے میں پھینک دیا اب یہ انسان کا کام ہے کہ گڑھے سے نکل کر اپنے مقام تک پہنچنے کی سعی کرے اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھے کہ میرا ربّ ضرور مجھے میرے کمال تک پہنچائے گا۔جیسے اللہ کریم کا فرمان ہے کہ

ان الـذيـن قـالـو ربـنا الله ثم ستقامو تتنزلو عليهم الملائكة الا تخافو والا تحزنو و ابشرو بالجنة التي كنتم توعدونo

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ربّ مان کر پھر اس پر ڈٹ جائیں کہ اللہ ہی ربّ ہے یعنی ہماری نشونما کر کے مقام غائیت تک پہنچانے والا سیدھے راستے پر چلنے کے لیے ہر رکاوٹ کو دور کرنے، بیماری بھوک پیاس،خوف سے بچانے والا صرف اللہ ہی ہے یعنی یہ کہہ کر ساری ذمہ داری اللہ پر ڈال دی تو اللہ رب العزت لجپال ہے تو ایسے بندوں کو موت کے خوف سے نجات مل جاتی ہے۔

ملاقات دوست کی امید میں موت کو وصال کا دروازہ سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو رب مان کر پھر اس پر پختگی اور یقین محکم کے ساتھ ڈٹ جانے والے لوگوں کی خصوصیات و مراتب عوام و خواص سے الگ خواص الخواص ہوتے ہیں۔وہی خلیفۃ اللہ ہونے کے حقدار ہیں۔

طلوع اسلام اور نزول قرآن سے پہلے کا دور زمانہ جاہلیت (Darkage) کہلاتا ہے۔انسانیت ضلالت گمراہی ظلم و جبر کی اتھاہ گہرائیوں میں پھنسی ہوئی تھی،قرآن اور اسلام کی وساطت سے ہی علم و آگاہی کی روشنی پھیلی اور انسانیت جو ابھی ترقی و تنزل کے چکروں میں ٹامک ٹوئیاں کھا رہی تھی۔اجتماعی طور پر نبی پاکﷺ اور صحابہ کے زمانے میں انسانی معاشرہ اپنی معراج کو پہنچا۔انسانی ترقی کے بنیادی طور پر دو پہلو ہیں۔ظاہری اور باطنی۔ظاہری پہلو سیاست یا حکومت ہے اور باطنی پہلو اخلاقی اقدار ہیں۔یہ دونوں پہلو لازم و ملزوم ہیں۔مذہب حکومت کی بنیاد ہے اور حکومت مذہب یا اخلاقیات کی نگران ہے۔حضور اکرمﷺ کی بعثت کی بنیادی (prime) ذمہ داریاں یہی دو تھیں۔باقی فرائض ان ذمہ داریوں کی تکمیل کے لیے ہیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے نبی مکرمﷺ کی بعثت کی وضاحت اسطرح فرمائی ہے

هو اللـه الـذى ارسـل رسـولـه بـا الهـدى و دين الحق ليظهره على الدين كله

"وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے لیے بھیجا تا کہ اسے باقی ادیان پر غالب کر دے"۔ حضور اکرمﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ میری بعثت کا مقصد اخلاقیات کو مکمل کرنا ہے۔عمارت کی بنیاد چونکہ پہلے ہوئی ہے اس لیے دین کے اخلاقی پہلو کی تعمیر و ترقی پہلے ہونا ضروری ہے جیسے نبی پاکﷺ کی بعثت کے بعد مکی زندگی سے ظاہر ہے۔اور اس کی نگہبانی کے لیے حکومت کی قوت نافذہ مزکی ہاتھ میں ہونی چاہیے جب تک ان دونوں پہلوؤں کی درستی

نہ ہوگی یعنی متعدد مسلمانوں کا طبقہ حسن اخلاق سے مزین نہیں ہوتا اور پھر یہ گروہ مومنین اللہ کی رضا کی خاطر سیاسی جدوجہد نہیں کرتا اس وقت تک نوع انسانی کا کارواں دوبارہ ارتقائی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ اصل میں اس جدوجہد کا سارا بوجھ درویشی آستانوں پر یا دینی مدارس پر ہے جو خدائی خدمت گار ہونے کے داعی ہیں۔ اللہ کرے ارباب آستانہ و خانقاہ میں اور مدرسہ میں خلوص پیدا ہو جائے نام نہاد مدرسے اور خانقاہیں بہروپ چھوڑ کر صحیح معنوں میں دار ارقم جیسے ابتدائی مدرسہ کا سچا مخلصانہ روپ دھارلیں تو ربّ سچا اپنی ربوبیت کے دروازے واہ کردے گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت امیر حمزہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور ابوذر غفاریؓ جیسے مدبر اور بہادر مشاہیر پیدا ہونگے جو اوپر بیان کردہ انسانیت کے دونوں پہلوؤں کی آبیاری کرکے ساری دنیا کے انسانوں کے لیے امت واحدہ بننے کا راستہ ہموار کردیں گے

دعائے مغفرت

فیصل آباد سے پیر بھائی محمد اشتیاق کشتہ صاحب

ملتان سے ملک نذیر حسین کھوکھر کی اہلیہ

گکھڑ سے بھائی محمد عرفان کی ساس صاحبہ

بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

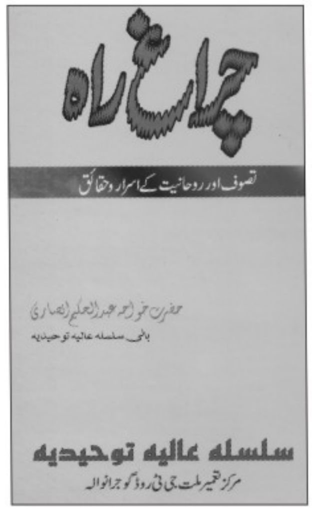
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

شیخ سلسلہ کی جانب سے

تفویض کردہ مقالہ جات برائے سالانہ کنونشن 2015

عنوان مقالہ	مقرر
۱) قبلہ انصاری صاحبؒ میری یادوں کے دریچے میں	محمد صدیق مغل
۲) قبلہ ڈار صاحبؒ میری یادوں کے دریچے میں	عبدالرشید ساہی
۳) تصوف اور اخلاق	خالد محمود بخاری
۴) سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کی ترویج کے لیے عملی اقدامات	عبدالقیوم ہاشمی
۵) اسلام کا معاشی نظام	چوہدری محمد حسین
۶) عمل کی اہمیت	عبدالحکیم
۷) سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد کیوں رکھی گئی	عزیز عارف
۸) سلسلہ توحیدیہ کے عملی سلوک کا خلاصہ	غلام مرتضٰی
۹) و انذر عشیرتک الاقربین	پیر خان
۱۰) تنظیم کے لیے باہمی رابطہ کی اہمیت	عابد کبیر شاہ
۱۱) انفاق فی سبیل اللہ	احمد رضا
۱۲) تمام بھائیوں کی طرف سے پڑھے گئے مقالہ جات کا تجزیہ اور خلاصہ	خالد مسعود

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

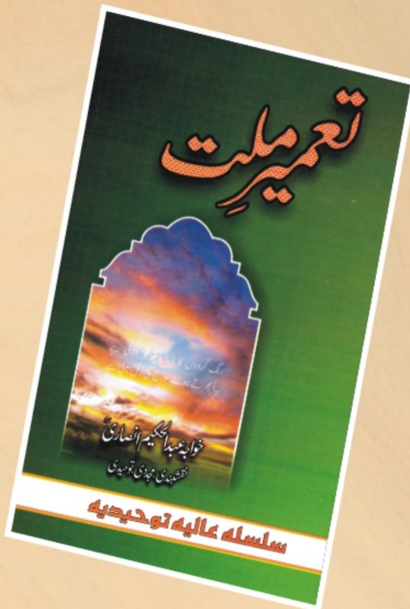


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

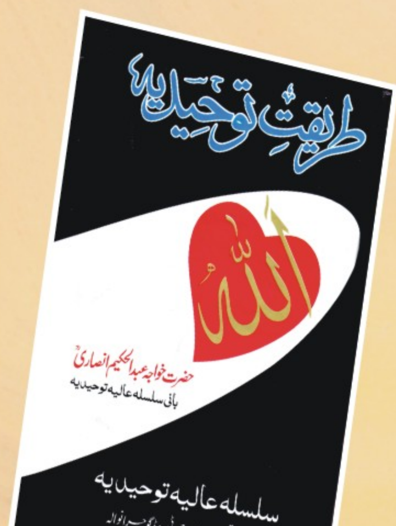


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالمِ روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امتِ مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com